خیر المقال

فی

ترجمۃ المنقذ من الضلال

للامام الہمام ابی حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

جس کو

مولوی سید ممتاز علی صاحب مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع

حواشی مفیدہ از مترجم

سنہ ۱۸۹۰ء

اسلامیہ پریس لاہور میں مولوی کرم بخش مالک کے اہتمام سے چھپا

اهداء الکتاب

الیٰ

مولای الکریم السیّد احمد باقات

نظراً الیٰ خدماتہ الجلیلۃ ومساعیہ الجمیلۃ

فی حمایۃ حمی الاسلام

فھٰذہ البضاعۃ وان کانت مزجاۃ وّاھدیت من غیر مرضاتہ لکنھا

شفیعۃ مشفعۃ لکونھا منبئۃ عن خلوص النیّۃ وصدق الطوِیّۃ

من خادمہ المترجم

ممتاز علی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

امام حُجّۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء دین سے ہوئے ہیں۔ ۴۵۰ھ ہجری میں بمقام طوس پیدا ہوئے۔ اور ۵۰۵ھ ہجری میں اُنھوں نے رحلت کی۔ وہ اپنے زمانہ کے فاضل مجتہد اور حاوی علوم معقول و منقول تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تطبیق بین المعقول والمنقول کا طریق ایجاد کیا اور اُسکو کمال پر پہونچایا۔ کتاب **المنقذ من الضّلال** امام صاحب کی تصانیف سے ہے جو اُنھوں نے آخر عمر میں بمقام **نیشاپور** اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے تحریر فرمائی۔ اگرچہ یہ نہایت مختصر سی کتاب ہے۔ مگر اس میں بعض نہایت ضروری مطالب اور مضامین اہم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک خاص بات جو امام صاحب کی کسی اَور تصنیف

میں نہیں پائی جاتی۔ اور صرف اسی تصنیف میں پائی جاتی ہے یہ ہے۔ کہ اس میں امام صاحب نے اپنے خیالات کی مسلسل تاریخ بیان کی ہے۔ اور اُن میں جو جو تبدیلیاں اور انقلاب وقتاً فوقتاً واقع ہوئے اُن کا عبرت انگیز طریق میں ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کتاب آئینہ ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے واردات قلبی کا جس سے اُن لوگوں کو جو تحصیل علوم فلسفہ کے شائق ہیں نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوسکتی ہے

نصیحت گوش جاناں کن کہ ازجاں دوست تر دارند ٭ جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا اُردو زبان میں با محاورہ سلیس ترجمہ کروں تاکہ خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ الحمدللہ کہ یہ کام اواخر ربیع الاوّل ۱۳۰۳ھ ہجری میں ختم ہوا ٭

امام صاحب نے اپنے زمانہ کے علماء اور ان کے طریق جدل اور لوگوں کے فتور اعتقاد وغیرہ کی نسبت بعض ایسے امور تحریر فرمائے ہیں جو اس زمانہ کے حالات سے مشابہ ہیں یا باندک تغیر اُن پر منطبق ہوسکتے ہیں۔ میں نے ایسے مقامات پر حواشی لکھے ہیں جن میں بتایا ہے کہ یہ امور اس زمانہ کے حالات پر کس طرح منطبق ہوتے ہیں ٭

امام صاحب کے حالات سے جو اس کتاب میں درج ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو ابتداءً علم فلسفہ سے سخت مضرت پہونچی تھی اور

اُن کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی مشکلات آسان کردیں اور اُن کو ایسی ہدایت بخشی کہ وہ باعث ہدایت خلقت ہوئے۔ اور قبولیت عام نے ان کو امام حُجۃُ الاسلام کا لقب دیا۔ چونکہ امام صاحب فلسفہ کے مہلک اثر کا ذاتی تجربہ حاصل کر چکے تھے اس لئے جہاں تک اُن کے بس میں تھا اُنھوں نے مسلمانوں کو اس کی آفات سے ڈرایا اور تردید فلسفہ اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیا۔ یہ جوش درجہ غلو تک پہونچ گیا تھا اور کیونکر نہ پہونچتا۔ جبکہ فلسفہ کے زہریلے اثر سے امام صاحب سے جیّد عالم کے خیالات مذہبی محفوظ نہ رہ سکے تو عوام النّاس کی نسبت کیا کیا اندیشے تھے جو نہیں ہوسکتے تھے۔ اور ایسے شخص کے دل میں جو محبت اسلام سے سرشار ہو اور خدمت اسلام کو اعلیٰ ترین عبادت سمجھتا ہو فلسفہ کی طرف سے کیا کیا بغض و بد گمانیاں تھیں جو پیدا نہیں ہوسکتی تھیں؟ خلفاء عباسیہ کا دَور حکومت تھا۔ لوگوں کی طبیعتیں فلسفہ و حکمت کے ذوق و شوق سے لبریز ہو رہی تھیں اور اُس زمانہ کی مجالس علمی اور اُمرار کی صحبتوں میں بھی حکمت و فلسفہ کے چرچے رہتے تھے۔ غرضکہ زمانہ کا عام میلان شیوع حکمت و فلسفہ کی طرف معلوم ہوتا تھا۔ امام صاحب جو خود اپنے نفس پر علوم حکمیہ کے بد نتایج اور اُن کا ملحدانہ اثر محسوس کرچکے تھے۔ اس حالت زمانہ کو دیکھکر نہایت سراسیمہ ہوتے تھے۔ آخر اُنھوں نے بلا خیال اس

بات کے کہ جس عظیم الشان مہم کو وہ اُٹھے ہیں وہ ایک جریدہ شخص
کا کام نہیں ہے تردید فلسفہ کا بیڑا اُٹھایا اور صرف قرآن مجید کی
قوت پر بھروسہ کرکے تمام علمی دنیا سے جنگ کیا - امام صاحب نے
اہل اسلام کے دلوں کو فلسفہ سے بیزار کرنے کے لئے اور اُس کی
نفرت اُن کے دلوں میں بٹھانے کے لئے صرف اُن مسایل کی تردید
کافی نہیں سمجھی جو علانیہ اسلام کے برخلاف تھے - بلکہ اُنھوں نے
کوئی پہلو جس سے فلسفہ کی مخالفت واجب یا ناواجب ممکن معلوم ہوتی
تھی اختیار کئے بغیر نہ چھوڑا - چنانچہ امام صاحب کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ
کے ملاحظہ سے واضح ہوگا - کہ اُنھوں نے بعض ایسے مسائل میں بھی جو
خود اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہیں محض اس بنا پر مخالفت کی ہے
کہ وہ مسائل گو فی نفسہ صحیح ہیں الا دلایل فلسفیہ سے اُن کا ثبوت
ناممکن ہے - جس شے سے اس درجہ کا سخت عناد ہو تو اُسکی مذمت
میں کبھی ناواجب مبالغہ ہوجانا ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی
ہر انسان کو پیش آتا ہے - چنانچہ امام صاحب بھی کہیں کہیں
اس کتاب میں فلسفہ کی مذمت میں حد مناسب سے تجاوز کر گئے
ہیں - میں نے حواشی میں ایسے مقامات پر گرفت کی ہے - مگر حاشا
کہ مجھ کو امام صاحب کی تحریر پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنے سے
اُن کی شان میں کسی طرح سے سوء ادبی کرنا یا اُن کی تحقیق کی نسبت
استخفاف کرنا یا اپنی نمود منظور ہو - میں خود اُن کی تصانیف کا

خوشہ چین ہوں - اور اُن کو اپنا مقتدا و پیشوا جانتا ہوں - بعض امور میں جو میں نے امام صاحب سے اختلاف رائے کیا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ اگر امام صاحب اس وقت زندہ ہوتے اور اُن امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو وہ یقیناً اپنی رائے کو بدلتے *

اس مختصر سی تحریر میں امام صاحب کے حالات زندگی بیان کرنا بے موقعہ ہے - اگر حیات مستعار باقی ہے - تو انشاء اللہ ہم سیرۃ الغزالی بالاستیعاب علیحدہ لکھیں گے - فقط *

العبد المذنب

ممتاز علی

مترجم چیف کورٹ پنجاب

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریف اللہ کو زیبا ہے۔ جس کی ستائش ہر ایک تحریر و تقریر کا آغاز ہے اور درود ہو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صاحب نبوت و رسالت کے ہیں اور اُن کی آل و اصحاب پر جنھوں نے خلقت کو ہدایت کرکے گمراہی سے نکالا۔

امام صاحب کے ایک دوست کا سوال در بارہ تحقیق مذہب

اے برادر دینی تونے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں تجھ پر علوم کے اسرار و غایات اور مذاہب کی کٹھن راہیں اور صعوبات ظاہر کروں۔ اور تجھ کو اپنی سرگذشت سناؤں۔ کہ میں نے مختلف فرقوں سے جن کے راہ اور طریق ایک دوسرے سے متناقض تھے۔ حق بات کو کسطرح چنکر اختیار کیا اور تقلید کے گڑھے سے نکل کر کس اوج بصیرت پر پہونچنے کی جرأت کی۔ اور اول علم کلام سے کیا کیا استفادہ کیا اور ثانیاً اہل تعلیم کے طریقوں پر جن کے نزدیک۔ ادراک حق صرف تقلید امام پر موقوف ہے کسقدر حادی ہوا اور ثالثاً علم فلسفہ کی کیا کیا بُرائیاں ظاہر کیں اور سب سے آخر کس طرح طریقہ تصوف

مجھ کو پسندیدہ ترین نظر آیا - اور اقوال خلقت کی بے انتہا تفتیش میں مجھ کو کیا حق الامر معلوم ہوا - اور وہ کونسا امر تھا جو باوجود اس امر کے کہ بغداد میں کثرت سے طلبہ تھے مجھے اشاعت تعلیم سے مانع آیا - اور جسکی وجہ سے بعد عرصہ دراز میں پھر بغداد واپس جانے پر مجبور ہوا - سو میں اس امر کو معلوم کرکے کہ تیری رغبت صادق ہے تیرے سوال کا جواب دیتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگ کر اور اس پر بھروسہ کرکے اور اس سے طلب توفیق کی التجا کرکے آغاز سخن کرتا ہوں *

[جواب] جاننا چاہئے - خدا تعالےٰ تمکو ہدایت بخشے اور اتباع حق کے لئے قلب سلیم عطا فرماوے - کہ اختلاف خلقت درباب دین و ملت اور پھر اختلاف امت درباب مذاہب جس سے بے شمار فرقے اور متناقض طریقے پیدا ہوگئے ہیں ایک دریائے عمیق ہے - جس میں بہت لوگ غرق ہوئے ہیں - اور بہت ہی کم ہیں جو اس سے سلامت نکلے - اور ہر فرقہ کا یہی زعم ہے کہ ہم ہی ناجی ہیں کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ - اسی تفرقہ کی نسبت مخبر صادق حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قریب ہے کہ میری امت سے تہتر فرقے ہوجائیں گے - جن میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا - پس یہ وعدہ اب پورا ہوتا نظر آتا ہے - ابتدائے شباب سے یعنے ایام بلوغت سے جبکہ میری عمر ابھی بیس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی - اس وقت تک کہ اب میرا سن پچاس سال سے متجاوز ہوا میری ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ میں اس دریاء عمیق کے منجدھار میں بے دھڑک گھستا اور اس کے گہرے گہرے اور خطرناک مقامات میں ڈرپوک بزدلوں کی مانند نہیں بلکہ بڑے دل چلے لوگوں کی طرح غوطہ لگاتا تھا - میں

ہر تاریکی میں جا دھنستا تھا اور ہر مشکل پر ہاتھ ڈالتا تھا ہر بھنور میں بیدھڑک کُود پڑتا تھا- اور ہر فرقہ کے عقیدہ کی جستجو میں رہتا اور ہر فرقہ کے مذہب کے اسرار دریافت کیا کرتا تھا- کہ حق باطل اور سنت اور بدعت میں تمیز کر سکوں- کوئی اہل باطن میں نے ایسا نہیں چھوڑا- کہ اُس کے اسرار پر مطلع ہونے کا مجھ کو شوق نہ ہوا ہو- اور کوئی اہل ظواہر میں سے ایسا نہیں رہا کہ اُس کے علم کی حاصل معلوم کرنے کا میں نے ارادہ نہ کیا ہو- کوئی فلسفی نہیں جس کے فلسفہ کی ماہیت سے واقف ہونے کا میں نے قصد نہ کیا ہو- اور کوئی اہل کلام ایسا نہیں جس کی تقریر اور مجادلہ کے انجام پر مطلع ہونے کی میں نے جدوجہد نہ کی ہو- میں ہر ایک صوفی کے اسرار تصوف پر واقف ہونے کا حریص رہتا تھا- ہر ایک عابد کی نسبت میں یہ سوچتا تھا کہ اُس کی عبادت کا مآل کیا ہوگا- اور ہر ایک زندیق معطّل کی نسبت میں یہ جستجو کیا کرتا تھا کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے

---

[1] اللہ تعالیٰ کی صفات وجودی و صفات تنزیہی میں مبالغہ کرنے سے دو متضاد مذہب ارباب صفات پیدا ہوئے ہیں- ایک مذہب والوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالےٰ بذات خود ہر مکان میں موجود ہے اور ہستی مخلوقات عین ہستی خالق ہے- اس مذہب کو مذہب حلول و اتحاد کہتے ہیں- ہمہ اوست کا مذہب اور تمام دیگر مذاہب جن کے رُو سے یہ یقین کیا جاتا ہے- کہ اللہ تعالےٰ نے کسی صورت خاص میں ظہور کیا اسی مذہب حلول و اتحاد کی مختلف شاخیں ہیں ❊

دوسرا مذہب جو اللہ تعالیٰ کے تنزیہہ و تقدیس میں مبالغہ کرنے سے پیدا ہوا ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کی جہت سے منزہ ہے- وہ نہ عالم میں داخل ہے نہ اُس سے خارج- نہ فوق

اُس کو زندیق اور معطل بننے کی جرأت ہوئی ہے۔ حقایق امور کی ادراک کا
میں ہمیشہ سے پیاسا تھا۔ ابتدائے عمر سے یہ شوق میرے دل میں کُھبا ہوا
تھا اور خدا تعالیٰ نے میری فطرت اور سرشت میں ہی یہ بات رکھ دی تھی
جسپر میرا کسی قسم کا بس اور اختیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ لڑکپن کے زمانہ
کے قریب ہی رابطہ تقلید مجھ سے چھوٹ گیا۔ اور عقاید موروثی ٹوٹ گئے

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

میں نے دیکھا کہ نصارے کے بچوں کا نشو و نما دین
نصرانی پر ہی ہوتا ہے اور یہود کے بچوں کا نشو و نما
یہودیت پر ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے بچوں کا نشو و نما اسلام پر ہوتا ہے
میں نے وہ حدیث بھی سُنی ہوئی تھی۔ جو رسُول خدا صلعم سے بدیں مضمون
مروی ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اُسکے
والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس میرے دل میں

عالم ہے نہ اندرون عالم۔ نہ اُس کے پاس سے کوئی شے آسکتی ہے۔ نہ اُس کے پاس کوئی
شے جاسکتی ہے۔ نہ اُس کا قُرب ممکن ہے نہ اُس کا دیدار۔ اس مذہب کے قائلین کو اہل
نفی، جہمیہ یا اہل تعطیل یا فرقہ معطلہ کہتے ہیں۔

مذہب حق یہ ہے کہ نہ تو اثبات صفات میں اس قدر غلو کرنا چاہئے کہ بُت پرستی تک
نوبت پُہنچ جاوے اور نہ تنزیہ و تقدیس میں اس قدر تدقیقات فلسفہ نکالنی چاہئیں۔ کہ
اللہ تعالیٰ کو عدم محض ہی تصور کیا جائے۔ مذہب سلف صالحین و ائمہ اسلام یہی تھا
یعنے اثبات بلا تشبیہ و تنزیہ بلا تعطیل + مترجم +

یہ تحریک پیدا ہوئی کہ حقیقت فطرت[1] اصلی اور حقیقت اُن عقاید کی جو

[1] یہ سوال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا نہایت دلچسپ سوال تھا اور زمانہ حال میں بھی فلاسفہ متالہین و دہریہ ہردو نے اس کے جواب دینے پر طبع آزمایاں کی ہیں - امام صاحب اس سوال پر غور کرتے کرتے ایک اور دقیق بحث میں جا پڑے - یعنے وہ نفس علم و ادراکات حواس اور اس امر پر کہ وہ کس حد تک قابل وثوق ہیں نظر کرنے لگے - افسوس ہے کہ ان کے سلسلہ خیالات کا انجام سفسطہ پر ہوا - اور وہ عالم مادی کے وجود فی الخارج میں شک رکھنے لگے - امام صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اوہام سفسطہ سے اُن کا جلد چھٹکارا ہوگیا - مگر اس رسالہ میں پھر یہ نہیں بتایا کہ اُن کے نزدیک حقیقت فطرت اصلی کیا ہے جس پر انسان مولود ہوتا ہے اور جو بعد میں بوجہ عارض ہونے عقاید تقلیدی و خیالات تلقینی کے دب جاتی ہے - خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی دین قیم کو بلفظ فطرت تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا - اس امر کے قرار دینے میں کہ فطرت سے اس آیت میں اور حدیث مذکورہ بالا میں کیا مراد ہے ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض علماء کا قول ہے کہ فطرت سے مراد وہ استعداد ہے جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں امر حق کے قبول کرنے اور اُس کے ادراک کر سکنے کی ودیعت رکھی ہے بعض دیگر علماء کا یہ قول ہے کہ فطرت سے مراد دین اسلام ہے - کیونکہ اگر انسان اپنی حالت فطری پر چھوڑ دیا جاوے تو وہ حالت اُس کو دین اسلام تک پہونچا سکتی ہے - ایک دیگر گروہ علماء اسلام اس طرف گیا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو بروز میثاق خداوند تعالیٰ نے ذریت آدم سے لیا

حاشیہ

تقلید والدین یا اُستاد سے عارض ہوتے ہیں معلوم کروں اور اُن تقلیدات

تھا امام غزالیؒ صاحب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ فطرت سے مراد توحید و معرفت الٰہی ہے کیونکہ باعتبار جبلت صلاحیت ادراک توحید ہر ایک قلب میں موجود ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فطرتِ اللہ سے اصول بِرّ واثم بطور کلیات مراد ہیں نہ کہ ان کے فروع و حدود۔ اور یہی وہ دین ہے جو اختلاف ازمنہ سے بدل نہیں سکتا ✦

عبداللہ بن مبارک نے حدیث مذکورہ بالا کے یہ معنے کئے ہیں کہ ہر ایک بچّہ اپنی خلقت جبلی پر پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ جانتا ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت غرض سب کا انجام کار اپنی خلقت فطری پر ہوتا ہے اور دنیا میں اُس کی خلقت کے مناسب اعمال اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ علامت شقاوت یہ ہے کہ اُس کی ولادت یہودیوں کے گھر ہو ✦

اگر ان مختلف اقوال کو بہ نظر تعمق دیکھا جاوے تو اُن میں آسانی سے تطبیق کی جا سکتی ہے اور نہ صرف تطبیق ہی ہوسکتی ہے بلکہ وہ جملہ اعتراضات بھی مندفع ہو جاتے ہیں جو فخرالاسلام سید احمد خاں صاحب کے اس قول پر کئے گئے ہیں کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام ۔ ہم کو صرف دو امور پر غور کرنا ہے ✦

(۱) آیا یہ قول کہ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام قول جدید ہے یا علماء قدیم میں سے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے ؟

(۲) آیا علماؔ کے باہمی اختلافات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کسی طرح رفع

میں تمیز کروں جن کی ابتداء امور تلقینات سے ہوتی ہے اور جن کی

بقیہ حاشیہ

ہو سکتے ہیں؟

پہلا امر نہایت صاف ہے۔ جن علماء کی یہ رائے ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے جیساکہ **قاضی بیضاوی** وغیرہ کی رائے ہے تو وہ ظاہرا سید صاحب کے ہمراہ اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ الفطرۃ ہو الاسلام پس اگر بعض دیگر علماء کی رائے اس کے خلاف بھی ہو تب بھی بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قول مذکورہ بالا کا پہلا جزو کوئی قول جدید نہیں ہے +

رہا دوسرا جزو یعنے الاسلام ہو الفطرۃ اُس کی نسبت صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ اگر اسلام اور فطرت میں جانبین سے تصادق کلی ہے تو اس جملہ اور پہلے جملہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لیکن اگر مفہوم فطرت بہ نسبت مفہوم اسلام عام ہے جیساکہ سید صاحب پر اعتراض کرنے والوں کا خیال ہے تو مورد اعتراض زیادہ تر پہلا جملہ ہے یعنے الفطرۃ ہو الاسلام۔ جب ہمارے علماء محققین نے اس قول کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کیا تو یہ کہنا کہ الاسلام ہو الفطرۃ بطریق اولی درست ہے۔ فما قالہ فخر الاسلام حق و علیہ اعتقادی +

بغرض اس امر کے کہ ان مختلف اقوال میں تطبیق دی جائے منشأ اختلاف پر غور کرنا ضرور ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ اختلاف اُس اعتراض سے بچنے کے واسطے کیا گیا ہے جو فطرۃ سے دین اسلام مراد لینے کی صورت میں وارد ہوتا ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کے بچّہ کو اپنی جبلت پر چھوڑ دیا جاوے اور اُسے کسی خاص مذہب کی تلقین نہ کی جاوے تو اُس کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسائل صوم

وجہ سے تمیز حق و باطل میں اختلافات ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے

و صلوٰۃ حسب دین اسلام اپنے ذہن سے اختراع نہ کریگا۔ پس یہ کہنا کب صحیح ہے کہ انسان دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور والدین کی تلقین سے وہ دیگر مذہب مثلاً یہودی یا مجوسی یا نصرانی اختیار کر لیتا ہے ؎ تفسیر حقانی

اس اعتراض کے خوف سے اور یہ یقین کرکے کہ فی الواقع بچّہ دین اسلام پر پیدا نہیں ہوتا ہمارے علمار نے طرح طرح کے مسلک اختیار کئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے مراد عہد میثاق ہے۔ کسی نے کہا کہ فطرت سے قبول حق کی عام استعداد مراد ہے۔ کسی نے توحید کہا۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارے علماء نے اختلاف کرتے وقت مدلول لفظ اسلام پر کافی غور نہیں کی۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق دین اسلام وہ دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السّلام کا دین تھا۔ یعنے اسلام وہ دین ہے جو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور خاتم النّبیین حضرت محمّد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کا دین تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان انبیاء علیہم السّلام کی شریعتوں پر بتفصیل نظر کی جاوے تو پہلی شریعتوں اور شرع محمّدی میں بہت تفاوت معلوم ہوگا اور پہلی شریعتوں میں بھی اختلافات ملیں گے۔ باوجود اس کے جب ہم مسلمان سب انبیاء کے دین کو دین اسلام قرار دیتے ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ اسلام سے مراد اُس قدر مشترک سے ہے جو جمیع انبیاء علیہم السّلام کے ادیان میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدائے واحد مطلق لا شریک لہٗ کی ہستی کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرے اور اُسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھے۔ یہی اسلام ہے جس کی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے حق تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

ول میں کہا کہ جب سب سے اوّل مجھ کو حقایق امور کا علم مطلوب

لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اسی دین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس ارشاد خداوندی میں اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - اسی دین کے اختیار کرنے کی حضرت ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی - کما قال اللہ تعالےٰ وَ وَصّٰی بِہَآ اِبْرٰہٖمُ بَنِیْہِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ کُنْتُمْ شُہَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ. قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰہٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰہًا وَّاحِدًا وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ

پس اللہ واحد پر بہ جمیع صفاتہ ایمان لانا اصل اصول اسلام ہے اور اسی واسطے سب انبیاء کا دین اسلام سمجھا جاتا ہے ورنہ اُن کی شریعتیں ازبس مختلف تھیں - مگر باوجود اس اختلاف کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰہٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ہُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ط - پس بے شک اُس حدیث شریف میں جہاں فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر مولود ہوتا ہے اور اُس آیت میں جہاں دین کو فطرت سے تعبیر کیا ہے فطرت سے مراد خواہ عہد میثاق ہو - خواہ اقرار ربوبیت خواہ توحید یہ سب اُسی اصل اصول اسلام کے اظہار کے مختلف طریق ہیں اور کچھ شک نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہونا اور اُس کو واحد مطلق یقین کرنا انسان کے لئے ایک طبعی و فطری امر ہے - جن لوگوں کو آیت و حدیث مذکورہ بالا پر شُبہ ہوا ہے اُنھوں نے اسلام سے مراد دین محمدی سمجھی ہے حالانکہ مفہوم اسلام اُس سے اعم ہے - باعتبار وضع لفظ حسب استعمال قرآن مجید ہر محمدی مسلمان ہے

ہے تو ضرور ہے کہ حقیقت علم معلوم کیجائے۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ

علم یقینی کی تعریف

علم یقینی وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے معلومات کا ایسا انکشاف ہو جاوے کہ اُس کے ساتھ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ اور غلطی اور وہم کا امکان بھی اُس کے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور ان امور کے احتمال کی دل میں گنجایش ہی نہ رہے۔ بلکہ غلطی سے محفوظ رہنے کے ساتھ اس قسم کا یقین ہو کہ اگر کوئی شخص اُس کے ابطال کے لئے مثلاً یہ دعوےٰ کرے کہ میں پتھر کو سونا کر دیتا ہوں یا لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہوں تو اس امر سے بھی کوئی شک یا انکار پیدا نہ ہوسکے۔ کیونکہ جب میں نے یہ بات جان لی کہ دس زیادہ ہوتے ہیں تین[۳] سے تو اب اگر

بقیہ حاشیہ

الا ہر مسلمان محمدی نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اُمت مسلمان تھی مگر ابراہیمی مسلمان نہ کہ محمدی مسلمان۔ علیٰ ہذالقیاس موسیٰؑ کی اُمت موسوی مسلمان تھی۔ اور ہم خاتم النبیین کی اُمت محمدی مسلمان کہلاتے ہیں۔ الا چونکہ سرتاج انبیاء حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم اصول اسلام کا بوجہ اتم و اکمل فرمائی اس لئے علی سبیل التغلیب یا علی سبیل الاختصاص عموماً اہل مسلمان وُہی سمجھے جاتے ہیں جو دین محمدی کے پیرو ہیں ✦

پندار سعدی کہ راہِ صفا ✦ تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

مگر جہاں خدا نے انسان کے فطری دین کی طرف ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں یقیناً اسلام بہ معنی اعم ہے نہ بمعنی دین محمدی جو عموماً بطور مرادف اسلام استعمال کیا جاتا ہے ✦ (مترجم)

کوئی اگر مجھ سے کہے کہ نہیں بلکہ تین زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اُسکی دلیل یہ ہے کہ میں اس لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہوں چنانچہ اُس نے بنا بھی دیا۔ اور میں نے یہ امر مشاہدہ بھی کرلیا۔ تب بھی اس مشاہدہ سے میں اپنے علم میں کچھ شک نہیں کرنے کا۔ البتہ مجھ کو اس امر سے صرف تعجب لاحق ہوگا۔ کہ اُس شخص نے کس طرح یہ کام کیا۔ لیکن شک میرے علم میں ذرا بھی نہیں آنے کا۔ پس مجھ کو معلوم ہوا کہ جس چیز کا اس طرح علم نہیں ہے اور جس چیز پر میں اس طور سے یقین نہیں رکھتا ہوں اُس علم پر کچھ اعتماد نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے علم کے ذریعہ سے غلطی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے اور جس علم سے غلطی کی حفاظت نہ ہو وہ علم یقینی نہیں ہے *

اقسام سفسطہ و انکار علوم

غلطی حواس کی بناء پر امام صاحب کو عالم محسوسات کے باب میں شکوک پیدا ہوئے

جب میں نے اپنے علموں کو ٹٹولا تو میں نے بجز محسوسات اور بدیہات کے اَور کوئی ایسا علم جس میں یہ صفت ہو اپنے میں نہ پایا۔ غرضکہ جب سب طرف سے مایوسی ہوگئی تو یہی ٹھیرایا کہ بجز اس کے اَور کچھ توقع نہیں ہے کہ جو امور بالکل صاف ہیں اُن ہی سے امور مشکل کو اخذ کیا جائے۔ اور وہ صاف امور وہی محسوسات اور بدیہات ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ اوّل یہی مستحکم قرار پاویں تاکہ یہ معلوم ہو کہ آیا

محسوسات پر جو میرا اعتماد ہے اور بدیہات میں غلطی سے محفوظ رہنے کا یقین ہے وہ اُسی قسم کا تو نہیں ہے جو قبل ازیں امور تقلیدی میں تھا - یا جیسا اکثر عوام النّاس کو امور عقلی میں ہوا کرتا ہے یا یہ غلطی سے محفوظ ہونا پکّی قسم کا ہے - جس میں کوئی دھوکا اور شک وشبہ نہیں - پس میں محسوسات اور بدیہات میں سعی بلیغ کے ساتھ غور کرتا اور اس بات کو سوچا کرتا تھا کہ دیکھوں میرے دل میں ان امور کی نسبت بھی شک پیدا ہو سکتا ہے - آخر[1] سوچتے سوچتے شکوک

---

[1] علم فلسفہ کے پڑھنے والے معلوم کریں گے کہ فرانس کے مشہور فلاسفی ڈسے کارٹ کو جس نے مسائل ذہنیات کی تحقیق میں انقلاب عظیم پیدا کر کے فلسفہ جدید کی بنا ڈالی عالم مادی کے وجود فی الخارج کے باب میں بعینہٖ اسی قسم کے خیالات پیدا ہوئے تھے - اس حکیم نے بھی اپنی تحقیق کا آغاز اس طرح کیا تھا کہ جو امور بدیہات سے نہیں ہیں وہ اُن پر ہرگز یقین نہ کرے گا - چنانچہ اُس نے بھی امام صاحب کی طرح شک وشبہ کو یہاں تک دخل دیا کہ آخر اُس کو حواس خمسہ ظاہریہ و باطنیہ پر بھی وثوق نہ رہا - خیال کیا گیا ہے کہ اگر امام غزالیؒ کی تصنیفات اُس کے زمانہ تک فرانس میں پہونچی ہوتیں تو یقیناً یہی سمجھا جاتا کہ ڈسے کارٹ کے فلسفہ کا ماخذ تحریرات امام غزالیؒ ہیں - مگر ڈسے کارٹ امام صاحب کی طرح گھبرانے والا شخص نہ تھا وہ اپنے اصول پر نہایت استحکام و استقلال سے قائم رہا اور نہایت خوبصورتی سے اُس نے عالم مادی کا وجود ثابت کیا - ڈسے کارٹ نے سوچا کہ آیا کوئی ایسی شے ہے جس کی نسبت شک وشبہ کی بالکل گنجایش نہ ہو - اُس نے ہر طرف نظر

نے اس قدر طول کھینچا کہ میرے دل کو اس بات کا بھی یقین نہ رہا کہ محسوسات میں بھی غلطی سے بچ سکتے ہیں۔ میرا یہ شک در باب محسوسات بڑھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ محسوسات پر کس طرح اعتماد ہوسکتا ہے؟ دیکھو سب سے قوی قوت بینائی ہے مگر اُس کا بھی یہ حال ہے۔ کہ وہ سایہ کی طرف دیکھتی ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیرا ہوا ہے ہلتا نہیں۔ اور نفی حرکت کا حکم دیتی ہے۔ لیکن ایک ساعت کے

بقیہ حاشیہ

دوڑائی مگر کوئی ایسی شے نظر نہ آئی۔ پھر اُس نے خیال کیا کہ اُس کا شک در بارہ وجود عالم مادی صرف اُس صورت میں کلیتہً راست ٹھیر سکتا ہے۔ جب اُس کو کم از کم اس شک کے وجود کی نسبت کوئی شک نہ ہو۔ اس طرح پر اُس نے سب سے اوّل اپنے شک کا وجود یقینی قائم کیا مگر شک ایک قسم کا خیال ہے اور خیال کے لئے ذی خیال کا ہونا ضرور ہے اس لئے وجود شک سے اُس کو وجود نفس ذہن کا بھی قائل ہونا پڑا۔ پھر بتدریج نفس ذہن سے استدلال کرتے کرتے وجود باری تعالیٰ ثابت کیا۔

امام غزالیؒ صاحب فلسفیانہ تدقیق میں ڈے کارٹ سے کسی طرح پر کم نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی توحید کا یقین اور خشیۃ اللہ جو اس معرفت ویقین کا ضروری نتیجہ ہے اُن کے روح میں اس طرح راسخ ہوا تھا کہ وہ لحظہ بھر کے لئے فرض محال کے طور پر بھی اُس سے انکار کے متحمل نہ ہوسکتے تھے اس لئے وہ صحت ادراک حواس کا انکار کرکے اور اُس کے خطرناک نتایج دیکھکر بہت گھبرائے اور سخت مرض تک نوبت پہونچی۔ مگر اُنھوں نے جلد دین کے مستحکم قلعہ میں پناہ لی۔ (مترجم)

بعد اُس کو تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ متحرک ہے - گو یہ حرکت یک لخت و دفعۃً نہیں بلکہ بتدریج و رفتہ رفتہ ہوتی ہے - یہاں تک کہ کسی وقت بھی اُس کو حالت سکون نہیں ہوتی - پھر ستاروں کو دیکھو - وہ دیکھنے میں نہایت چھوٹے چھوٹے اشرفی کے برابر نظر آتے ہیں - لیکن دلایل ہندسیہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک ستارہ مقدار میں اس زمین سے بھی بڑا ہے - غرضکہ اسی قسم کی اَور بہت سی مثالیں محسوسات کی ہیں جن میں حواس اپنے احساس کے صحیح ہونے کا حکم دیتے ہیں - مگر عقل اُس حکم کی تکذیب کرتی ہے اور حواس پر خیانت تکذیب کا ایسا الزام لگاتی ہے جس کا کوئی جواب بن نہیں پڑتا ٭

امام صاحب کو عقلیات و نظریات کے باب میں شکوک پیدا ہوئے ٭

بس یہ حال دیکھکر میں سمجھا کہ محسوسات سے تو اعتماد گیا اور شاید اگر اعتماد ہو سکتا ہے تو بجز عقلیات کے جو امور فطری ہیں اَور کسی پر نہیں ہو سکتا - مثلاً یہ کہنا کہ دسؔ تینؔ سے زیادہ ہیں یا یہ کہنا کہ نفی اور اثبات ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے اور ایک ہی شے حادث و قدیم یا موجود و معدوم یا واجب و محال نہیں ہو سکتی - مگر محسوسات نے کہا تجھ کو کس طرح تسلی ہے کہ امور عقلی پر تیرا اعتماد کرنا ویسا ہی نہیں ہے جیسا تیرا اعتماد محسوسات پر تھا؟ تجھ کو ہم پر وثوق کامل تھا مگر حاکم عقل آیا - اور اُس نے ہماری تکذیب کی - لیکن اگر حاکم عقل نہوتا تو تو ہماری تصدیق پر بدستور قایم رہتا - کیا تعجب ہے کہ علاوہ ادراک عقل کے ایک اور

ایسا حاکم ہو کہ جب وہ تشریف لاویں تو عقل نے جو حکم کئے ہیں اُس میں
وہ جھوٹی ہو جاوے۔ جیسے کہ حاکم عقل کے آنے سے حس اپنے حکم میں
جھوٹی ہوگئی تھی اور ایسے ادراک کا اس وقت معلوم نہ ہونا اس امر کی
دلیل نہیں ہو سکتا کہ ایسا ادراک حاصل ہونا محال ہے۔ پس میں اس
بات کے جواب میں کچھ عرصہ دم بخود رہا۔ اور حالت خواب کی وجہ سے

خواب کے بنا پر کسی اَور ادراک فوق العقل کا امکان

ان کا اشکال اَور بھی زیادہ ہوگیا۔ میرے دِل نے
کہا کہ کیا تم خواب میں بہت سی باتیں نہیں دیکھتے
اور بہت سے حالات خیال نہیں کرتے اور اُن کو ثابت و موجود یقین نہیں
کرتے؟ اور حالت خواب میں اُن پر ذرا بھی شک نہیں کرتے؟ پھر
جب جاگتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے وہ تمام خیالات اور معتقدات
بے اصل و بے بُنیاد تھے۔ یہ اندیشہ کس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ بیداری
میں جن امور پر تم کو بذریعہ حواس یا عقل کے اعتقاد ہے ممکن ہے کہ وہ
صرف تمھاری حالت موجودہ کے لحاظ سے صحیح ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ تم پر
ایک اَور حالت طاری ہو جس کو تمھاری حالت بیداری سے وہی نسبت
ہو جو اَب تمھاری حالت بیداری کو حالت خواب سے ہے اور تمھاری موجودہ
بیداری اُس کے لحاظ سے بمنزلہ خواب ہو۔ پس جب یہ حالت وارد ہو۔ تو
تم کو یقین آوے کہ جو کچھ میں نے اپنی عقل سے سمجھا تھا وہ محض
خیالات لا حاصل تھے ٭

شاید یہ ادراک صوفیہ کو حاصل ہوتا ہے

کیا عجب ہے کہ یہ حالت وہ ہو جس کا صوفی

لوگ دعوٰی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے نفسوں میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اور اپنے حواس ظاہری سے غایب ہوجاتے ہیں تو ہم اپنے حالات میں ایسے امور پاتے ہیں جو معقولات موجودہ کے موافق نہیں۔ اور شاید یہ حالت موت ہو۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام لوگ حالت خواب میں ہیں جب موت آئیگی تو وہ بیدار ہوں گے۔ سو شاید زندگی دنیا بلحاظ آخرت حالت خواب ہے۔ جب موت آئیگی تو اُس کو بہت سی اشیائے خلاف مشاہدہ حال نظر آئیں گی اور اُس کو کہا جائیگا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَائَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ جب میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے تو میرا دل ٹوٹ گیا اور میں نے اُس کے علاج کی تلاش کی مگر نہ ملا۔ کیونکہ اس مرض کا دفعیہ بجز دلیل کے ممکن نہ تھا اور تا وقتیکہ بدیہات کی ترکیب سے کلام مرتب نہ کیاجائے۔ کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن جب وُہی مسلم نہ ہوں تو دلیل کی ترتیب ہی ممکن نہیں ہے۔ پس یہ مرض سخت تر ہوتا گیا اور دو مہینہ سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا۔ چنانچہ ان دو مہینوں میں میں مذہب سفسطہ پر تھا لیکن بروئے خیالات و حالت دِل نہ بروئے تقریر و گفتگو۔ اتنے میں اللہ تعالےٰ نے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی۔ اور نفس پھر صحت و اعتدال پر آگیا۔ اور بدیہات عقلیہ مقبول اور معتمد بن کر پھر امن و یقین کے

یا شاید یہ ادراک بعد الموت حاصل ہو

دو ماہ تک امام صاحب سفسطی خیالات رکھتے تھے ؀

ساتھ واپس آئیں[۱] - لیکن یہ بات کسی دلیل یا ترتیب کلام سے حاصل

[۱] یہ تمام تقریر امام صاحب کی نہایت بودی ہے - امام صاحب کے یہ خیالات صرف قریب دو ماہ تک رہے - پھر اُن کو خود ان خیالات کی لغویت ظاہر ہوگئی - جیساکہ اُن کی اگلی تحریر سے ظاہر ہے یہاں یہ بات بھی بیان کرنی ضرور ہے کہ جو شبہات مذہب سفسطہ امام صاحب کے دل میں پیدا ہوئے تھے وہ حقیقت میں اُس قسم کے نہ تھے کہ از روے دلائل عقلیہ اُن کا رفع ہونا محال ہو - امام صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے اس مرض سے بمدد دلائل عقلیہ نجات نہیں پائی بلکہ محض فضل خدا سے صرف اپنی کیفیت دلی کی حکایت ہے نہ اظہار ضعف دلائل عقلیہ - اہل سفسطہ کا واجبات ضروریہ و بدیہیات جلیہ سے انکار کرنا خود تناقض در تناقض پیدا کرتا ہے - ہم نے فرض کیا کہ حواس و عقل کے سب ادراکات ناقابل اعتبار ہیں اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کو یقینی کہہ سکیں تاہم سفسطی کو کم از کم یہ تسلیم کرنا ضرور ہوگا کہ اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس کے یقینی ہے - کیونکہ اگر یہ بھی یقینی نہ ہو تو خود اُن کا انکار ضروریات باطل ٹھیرتا ہے - لیکن اگر اُس کا علم نسبت عدم وثوق حواس یقینی ہے تو کوئی وجہ اس امر کی ہونی ضرور ہے کہ خاص یہ علم باستثناء دیگر علوم و ادراکات کے کیوں یقینی سمجھا جائے - پس اس طریق استدلال سے لازم آتا ہے کہ یا تو اس علم کو ترجیحاً یقینی نہ سمجھا جاوے یا دیگر علوم کو بھی اُسی قسم کا تصور کیا جائے - ہاں یہ سچ ہے کہ حواس اپنے ادراکات میں بعض اوقات غلطی کرتے ہیں لیکن اس غلطی کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کبھی ایک

نہیں ہوئی بلکہ اُس نور سے حاصل ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور یہی نور اکثر معارف کی کلید ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ کشف مجرّد دلایل پر موقوف ہے تو اُس نے اللہ کی وسیع رحمت کو نہایت تنگ سمجھا۔ اور جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ شرح صدر کیا ہے اور اس قول خداوندی میں کہ فَمَن

حاسّہ کے ادراکات سے دوسرے حاسّہ کے ادراک کی غلطی اور کبھی ایک شخص کے ادراک سے دوسرے شخص کے ادراک کی غلطی رفع ہو جاتی ہے۔ غلطیوں کی مثالیں جو پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی خاص حاسّہ میں بباعث مرض وغیرہ کوئی فتور واقع ہوگیا ہو یا ایسی ہیں جن میں ادراک بجائے دفعۃً حاصل ہونے کے اس قدر تدریج سے حاصل ہو کہ کسی آن واحد میں شے مُدرَک محسوس نہ ہو سکے یا شے مُدرَک ایسی قلیل المقدار ہو کہ وہ غایت صغر کی وجہ سے محسوس ہونے کے قابل نہ ہو مگر انسان کا اس قسم کے مغالطات سے آگاہ ہو جانا اور یہ کہنا کہ حواس سے اس اس قسم کی غلطیاں واقع ہوا کرتی ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ گو فرداً فرداً اشخاص خاص اس قسم کی غلطیوں میں پڑ سکتے اور دھوکا کھا سکتے ہیں مگر آخرکار گروہ انسانی اُن غلطیوں کی خود ہی صحت کر لیتا ہے اور صحت کرنے کے واسطے محک و معیار ٹھیرا لیتا ہے۔ پس یہ مثالیں درحقیقت ادراکات انسانی کے صحیح اور واقعی ہونے کی تائید کرتی ہیں نہ کہ تردید۔ کیونکہ یہ کہنا ہی کہ ہم نے فلاں امر میں غلطی کی ہے اسی غلطی سے نکلتا ہے + (مترجم)

يُرِدِ* اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ میں شرح سے کیا مراد ہے؟ تو آپنے فرمایا کہ اس سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے۔ اور جب پوچھا گیا کہ اُس کی کیا علامت ہے؟ تو فرمایا کہ اس دار غرور سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور اُس ابدالآباد گھر کی طرف رجوع کرنا۔ اور اُسی کی طرف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اشارہ ہے جہاں فرمایا کہ اِنَّ** اللّٰہ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَتِہٖ ثُمَّ رَشَّ عَلَیْھِمْ مِنْ نُوْرِہٖ۔ پس لازم ہے کہ اس نور کی مدد سے کشف حاصل کیا جائے اور یہ نور خاص خاص اوقات میں چشمۂ جود الٰہی سے فوارہ کی طرح نکلتا ہے اور اسی کا منتظر رہنا لازم ہے جیساکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ† لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا ۔

ان حکایات سے مقصود یہ ہے کہ طلب کرنے میں تمام تر جِد وجہد کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ انجام کار کوشش ایسے درجہ پر پہونچ جاوے کہ اشیأ ناقابل طلب کے طلب کرنے کی نوبت آجائے۔ کیا وجہ کہ بدیہات

* جس کو اللہ تعالےٰ راہ راست دکھانا چاہتا ہے تو اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۱۲ ۔

** اللہ تعالیٰ نے خلقت کو حالت ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر اُن پر اپنا نور چھڑکا ۱۲ ۔

† تمھاری زندگی کے ایّام میں بسا اوقات نسیم رحمت پروردگار چلتی ہے پس تم اُس کی تاک میں لگے رہو ۱۲ ۔

تو مطلوب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ خود حاضر و موجود ہیں اور حاضر و موجود کو اگر طلب کیا جاوے تو وہ اور بھی مفقود و مستور ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص اُس چیز کو طلب کرتا ہے جو طلب نہیں ہو سکتی تو اُس پر کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ اُس نے قابل طلب چیز طلب کرنے میں کیوں کوتاہی کی ہے +

اقسام طالبین

مدعیان حق کے چار فرقے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور بے انتہا جود سے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی اور اقسام طالبین میری رائے میں چار قرار پائے یعنے

اوّل۔ اہل کلام جن کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہم ہی اہل الرّاے اور اہل النظر ہیں +

دوئم۔ اہل باطن جن کا یہ زعم ہے کہ ہم اصحاب تعلیم ہیں اور ہم میں یہ خصوصیت ہے کہ ہم نے ہی امام معصوم سے سینہ بسینہ تعلیم پائی ہے +

سوئم۔ اہل فلاسفہ جن کا یہ گمان ہے کہ ہم ہی اہل منطق و برہان ہیں +

چہارم۔ صوفیہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم خاصان بارگاہ ایزدی و اہل مشاہدہ و مکاشفہ ہیں +

تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ حقّ الامر اِن چہار اقسام میں سے خارج نہ ہوگا کیونکہ یہ سالکانِ راہِ طلبِ حق ہیں۔ پس اگر حق ان پر بھی ظاہر نہ ہوا تو پھر ادراک حق کی کبھی اُمید نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بعد ترک تقلید کے پھر تقلید کی طرف رجوع کرنے میں تو کسی فائدہ کی امید نہیں۔ وجہ یہ کہ شرط متقلد یہ ہے کہ اُس کو اس بات کا علم بھی نہ ہو کہ میں متقلد ہوں۔ لیکن اگر یہ معلوم ہوگیا تو اُس کی تقلید کا شیشہ ٹوٹ گیا اور وہ ایسا زخم ہے جس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور ایسی پریشانی ہے کہ کسی تالیف یا تطبیق سے اُس کی درستی نہیں ہوسکتی بجز اس کے کہ اوس شیشہ کو پھر آگ میں پگھلایا جاوے اور از سر نو اَور شیشہ بنایا جاوے۔" یہ سوچکر میں نے ان طریقہائے متذکرہ بالا پر چلنے اور جو کچھ ان فرقوں کے پاس ہے اُس کی انتہا معلوم کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ اور علم کلام سے آغاز کیا اور اُس کے بعد طریق فلسفہ اور پھر تعلیم اہل باطن اور سب سے آخر طریق صوفیہ کی تحقیق کی +

مقصود و حاصل علم کلام

تدوینِ علم کلام

میں نے علم کلام سے آغاز کیا اور اُس کو حاصل کیا۔ اور خوب سمجھا۔ اور محققین علم کلام کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور جو کچھ میرا ارادہ تھا میں نے اس علم میں کتابیں تصنیف کیں میں نے دیکھا کہ یہ ایک ایسا علم ہے کہ اس سے اُس علم کا مقصود اصلی تو حاصل ہوتا ہے لیکن

یہ میرے مقصود کے لئے کافی نہیں - اس علم سے مقصود یہ ہے - کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کی حفاظت کیجائے - اور اہل بدعت کی تشویش سے اُس کو بچایا جاوے - اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے رسول صلعم کی زبان مبارک سے عقیدہ حق نازل کیا - جس میں اُس کے بندوں کی صلاح دینی و دنیوی ہر دو ہیں جیساکہ قرآن مجید میں اور احادیث میں مفصل موجود ہے - لیکن شیطان نے اہل بدعت کے دلوں میں وسوسے ڈال کر ایسے امور پیدا کئے جو مخالف سُنّت ہیں - پس اہل بدعت نے اس باب میں زبان درازی کی - اور قریب تھا کہ اہل حق کے عقیدہ میں تشویش پیدا ہو - کہ اللہ تعالیٰ نے گروہ علمار اہل کلام کو پیدا کیا - اور انہیں یہ تحریک پیدا کی کہ نصرت اہل سنت کے لئے ایسا کلام مرتب کام میں لائیں جس سے تلبیسات بدعت جو خلاف سنت ماثورہ پیدا ہوئی ہیں منکشف ہوجائیں - غرض اس طور پر علم کلام و علمار علم کلام کی ابتدار ہوئی پس ان میں سے ایک گروہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلایا اُٹھا - اور اُنھوں نے دشمنوں سے عقیدہ سنّت کی خوب حفاظت کی - اور اہل بدعت نے اُس کے نورانی چہرہ پر جو بدنما داغ لگادیئے تھے اُن کو دور کیا لیکن ان علمار نے اس باب میں اُن مقدّمات پر اعتماد کیا جو اُنھوں نے منجملہ عقائد مخالفین خود تسلیم کرلئے تھے - اور وہ اُن کے تسلیم کرنے پر یا تو بوجہ تقلید مجبور ہوئے یا بوجہ اجماع و سنّت - یا محض بوجہ قبول قرآن مجید واحادیث - زیادہ تر بحث اُن کی اس باب میں تھی کہ اقوال مخالفین میں

مناقضات نکالے جائیں اور اُن کے مسلّمات کے لوازم پر گرفت کیجائے - لیکن یہ امور اُس شخص کو بہت ہی تھوڑا فائدہ پہونچا سکتے ہیں جو سوائے بدیہات کے کسی شئے کو مطلق تسلیم نہیں کرتا - اس لئے علم کلام میرے حق میں کافی نہ تھا - اور نہ جس درد کی مجھ کو شکایت تھی اُس سے اُس کو شفا ہوسکتی تھی ؀

کتب کلام میں لاطائل تدقیقات فلسفیانہ

خیر جب علم کلام نکلا اور اُس میں بہت خوض ہونے لگا اور مدت دراز گذر گئی تو اہل کلام بوجہ اس کے کہ وہ حقائق امور کی بحث اور جواہر و اعراض اور اُن کے احکام میں خوض کرنے لگے محافظت سنت کی حد سے تجاوز کرگئے - لیکن چونکہ یہ اُن کے علم سے مقصود نہ تھا اس لئے اُن کا کلام اس باب میں غایت حد تک نہ پہونچا اور اُس سے یہ حاصل نہ ہوا کہ اختلاف خلق سے جو تاریکی حیرت پیدا

لہ جس زمانہ میں مسلمانوں کا نیر اقبال اوج پر تھا تو اُن میں علوم حکمیہ یونان کا کثرت سے رواج ہوا - اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن علوم کے مسائل حکمیہ اور اس زمانہ کے مسائل مجتہدہ اسلام میں اختلاف دیکھکر بہت سے اہل اسلام کے عقاید مذہبی میں تزلزل آگیا تھا - ان علوم حکمیہ کے ملحدانہ اثر روکنے کے لئے ہمارے علماء سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے علم کلام نکالا ؀

متقدمین علماء کلام کی تصنیفات نہایت سلیس و مختصر وکار آمد ہوتی تھیں مگر رفتہ رفتہ فلسفی مزاج متکلمین نے اُس کو ایک مبسوط فن قرار دے لیا جو جملہ دقیق مسائل منطق و فلسفہ و طبعیات کا متکفل ہوگیا ہے - چونکہ یونانی فلسفہ و

ہوتی ہے اُس کو بالکل محو کردے - بعید نہیں کہ میرے سوا کسی اور کو یہ بات حاصل ہوئی ہو بلکہ مجھ کو اس بات میں شک نہیں کہ

(بقیہ حاشیہ)

الٰہیات کے مسائل عقلی وقیاسی دلایل پر مبنی ہوتے تھے - ہمارے متکلمین اُن کے مقابل میں ویسی ہی عقلی و قیاسی دلایل لاکر اُن کے مسائل کو توڑ پھوڑ ڈالتے تھے مگر چونکہ اعراض و جواہر وغیرہ کی فضول و دقیق بحثوں سے سواء پریشانی خاطر حفاظت و نصرت دین میں کچھ مدد نہیں ملتی تھی امام صاحب نے ایسی تصنیفات کو نہایت ناپسند فرمایا ہے - معلوم نہیں کہ اگر امام صاحب اس زمانہ میں ہوتے اور علم کلام میں ہیولی - صورت - جزء لایتجزی - ابطال خرق و التیام - استحالہ خلاء - کرویہ اجسام بسیطہ وغیرہ کی دقیق بحثیں اور مُوشگافیاں ملاحظہ کرتے تو کیا فرماتے +

امام صاحب کے زمانہ کے بعد کتب کلامیہ میں غیر ضروری فلسفیانہ تدقیقات اَور بھی کثرت سے داخل کی گئیں اور اب زیادہ خرابی یہ ہوتی ہے کہ اصول فلسفہ یونان جس کے مقابلہ کے لئے علم کلام وضع ہوا تھا غلط ثابت ہوگئے - پس اب اُس بوسیدہ و از کار رفتہ علم کلام کو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں جو بجائے قیاسی دلایل کے سراسر تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہیں پیش کرنا وضع الشئے فی غیر محلہ ہے - دیکھنا چاہئے کہ جس علم کو فخر الاسلام سید احمد خاں صاحب نے اس زمانہ کے علوم کے مقابلہ میں بیکار وغیر مفید ٹھیرایا ہے اُس کو امام صاحب نے آج سے ۸۰۰ برس پہلے حمایت و نصرت دین کے لئے ناکافی سمجھا تھا - اس سے خیال کرنا چاہئے کہ اہل اسلام کو جدید علم کلام کی کس قدر سخت ضرورت ہے - (مترجم)

کسی نہ کسی گروہ کو ضرور حاصل ہوئی - گویہ حصول ایسا ہے کہ بعض امور میں جو فطری و بدیہیات سے نہیں ہیں تقلید کی اس میں آمیزش ہوگی- فی الحال میری غرض یہ ہے کہ میں اپنی حکایت حال بیان کروں - نہ یہ کہ جن لوگوں کو اس کے ذریعہ سے شفا ہوئی ان کی مذمت کروں - کیونکہ دوائے شفا بلحاظ مختلف امراض کے مختلف ہوتی ہے - بہت سی دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے ایک مریض کو نفع پہونچتا ہے اور دوسرے کو ضرر +

حاصل علم فلسفہ

اس میں یہ بیان کیا جاوے گا کہ کونسا علم فلسفہ مذموم ہے اور کونسا مذموم نہیں ہے - اور علم فلسفہ کے کس قول سے کفر لازم آتا ہے اور کس قول سے کفر لازم نہیں آتا - یا ان میں سے کونسا امر بدعت ہے اور کونسا امر بدعت نہیں - اور نیز وہ امور بیان کئے جائینگے جو اہل فلسفہ نے کلام اہل حق سے چرا لئے ہیں - اور اپنے خیالات باطل کی ترویج کے لئے اُن کو اپنے کلام میں ملایا ہے - اور اس وجہ سے کس طرح پر لوگوں کی طبیعتوں کو اس حق سے نفرت ہوگئی - اور حقایق حقہ خالص کو اُن کے فاسد اور غیر خالص اقوال سے کس طرح علیحدہ کیا جاوے +

کسی علم پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے اُس میں کمال پیدا کرنا چاہئے +

علم کلام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے علم فلسفہ شروع کیا اور مجھ کو یہ امر یقیناً

معلوم تھا کہ جب تک کوئی شخص اصل علم میں اُس علم کے سب سے
بڑے عالم شخص کے برابر ہوکر درجہ انتہا کو نہ پہونچ جاوے۔اور پھر
ترقی کرکے اُس کے درجہ سے تجاوز نہ کر جاوے۔اور اُس علم کی
دشواریوں اور آفات سے اس قدر اطلاع حاصل نہ کرلے کہ اُن سے
وہ عالم بھی واقف نہ ہو۔تب تک علم فلسفہ کی کسی قسم فساد سے واقف
نہیں ہوسکتا۔کیونکہ صرف اسی صورت میں یہ امر ممکن ہے کہ علم مذکور
کے فساد کی نسبت جوکچھ اُس کا دعوےٰ ہوگا وہ صحیح ہوگا۔لیکن
میں نے علمار اسلام سے کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں[ل] دیکھا جسنے

حاشیہ

ل اس زمانہ میں بھی ہمارے علمار اہل اسلام کو اسی آفت نے گھیر رکھا ہے۔وہ
علوم جدیدہ سے محض جاہل ہیں۔مگر باوجود اس کے اُن مسائل پر جو اُن علوم پر
مبنی ہیں گفتگو کرنے بلکہ اُن کی تردید کرنے اور ان مسائل کے ابطال میں کتابیں لکھنے
اور اُن مسائل کے قائلین کی نسبت کفر کے فتوے دینے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں
ہندوستان بھر میں ہمارے علمار دین کے گروہ میں ایک بھی ایسا شخص موجود نہیں
ہے جس نے حسبۃً للہ خدمت دین کی غرض سے علوم جدیدہ میں دستگاہ کامل
پیدا کرنے کی محنت اپنے اوپر اُٹھائی ہو۔اور جو اعتراضات ان علوم کے رُو سے
اُن پر وارد ہوتے ہیں اُن سے کماحقہ واقفیت پیدا کی ہو۔اور پھر اُن اعتراضات
کے اُٹھانے میں حتی المقدور کوشش کی ہو۔اس زمانہ میں ہمارے علمأ کی تحقیق
صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر کوئی شخص واقعات نفس الامری کی بناء پر جو
حسب تحقیقات علوم جدیدہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوئے ہیں اسلام پر کوئی اعتراض

اس کی طرف ہمت کی ہو۔ یا تکلیف اُٹھائی ہو۔ اور کتب اہل علم

کرے تو یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ادراکات حواس انسانی میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نتیجہ خاتمہ

پس یہ ایک مختصر سا انچھر ہے جو زمانہ بھر کے کل علوم حکمیہ کی تردید کے لئے

کافی ہے۔ اگر کوئی اَور شخص اپنی استعداد کے موافق اُن اعتراضات کے رفع کرنے

کی کوشش کرتا ہے۔ تو ہمارے علماء اُس کی تکفیر کرتے ہیں ✤

• جب تک ہمارے علماء دین مخالفین کے علوم میں اُس درجہ تک ترقی نہیں

کرنے لگے جو امام غزالیؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ یعنے جب تک وہ اصل

عالمان علوم جدیدہ کے برابر معلومات کا ذخیرہ جمع نہ کرلیں۔ اور اُن معلومات کے بڑھانے

کے وسائل اپنے لئے مہیا نہ کرلیں۔ تب تک ناحق کی کج بحثیاں کرنا۔ اور اُن

واقعی امُور کے مقابلہ میں جو مشاہدہ اور تجربہ سے مسلم ٹھیر چکے ہیں قیاسی دلائل

ڈھونڈنا یا غلطی ادراکات کے رکیک حیلے نکالنا۔ اور اپنے پوچ اقوال کی تائید

میں آیات قرآن مجید پیش کرنا اسلام کو ضعیف اور کلام الٰہی کا مضحکہ کروانا

ہے ✤

اگر درحقیقت کسی کے دل پر اسلام کی واجب الرحم حالت سے چوٹ لگتی ہے اور مغربی

دنیا کے علوم سے جو ملحدانہ زہریلا اثر دین اسلام پر پڑ رہا ہے اُن کو روکنا خدمت دین سمجھتا

ہے تو اُسکو چاہیئے کہ کمر ہمت باندھ کر امام غزالیؒ کی طرح مخالفین کے علوم حکمیہ کی تحصیل

کے درپے ہو جب وہ شخص ان علوم میں فضیلت حاصل کرچکیگا تب دنیا اُسکو اس قابل سمجھے گی کہ جو کچھ وہ

کہے اُسکو التفات سے سنے اور اُس کی تحریر و تقریر کو قابل قدر و وقعت اور اُسکو قابل خطاب سمجھے جسکو یہ

ثواب حاصل کرنا ہو وہ اس کام کا بیڑا اُٹھائے فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ؕ (مترجم)

کلام میں جو ردِّ اہل فلاسفہ کے درپئے ہیں۔ بجز چند کلمات مبہم و بے ترتیب کے جن کا تناقض اور فساد ظاہر ہے اور جن کی نسبت ایک عامی بیاہل آدمی بھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ اشخاص جو دقایق علوم کے جاننے کا دعوے رکھتے ہوں اور کچھ درج نہیں۔ غرض۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی مذہب کی تردید کرنا قبل اس کے کہ اُس کو سمجھیں اور اُس کی حقیقت سے مطلع ہوں اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔اس لئے میں کمر ہمت چست کرکے علم فلسفہ کی تحصیل کے درپے ہوا اور صرف اپنے مطالعہ سے بغیر مدد اُستاد کے کتب فلسفہ کو دیکھنا شروع کیا۔ اور یہ کام میں اپنی فراغت کے وقت میں یعنے جب مجھ کو علوم شرعی کے درس دینے اور تصنیف کرنے سے فرصت ملتی تھی انجام دیتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو بغداد میں تین سو طالب علم کو درس و تعلیم کا کام سپرد تھا پس اللہ تعالیٰ نے صرف انہیں اوقات متفرقہ کے مطالعہ میں یہ برکت دی کہ میں دو برس سے کم عرصہ میں ہی فلسفہ کی انتہائے علم سے واقف ہوگیا۔اس علم کو سمجھ لینے کے بعد قریب ایک سال تک میرا یہ دستور رہا کہ ان مضامین میں غور و فکر کیا کرتا تھا۔اور اُن مضامین کو اپنے ذہن میں دُہراتا اور اُس کی صعوبات و آفات پر نظر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس میں جو کچھ مکر یا دھوکا یا تحقیق یا جو اَور خیالات تھے اُن سب کی ایسی آگاہی حاصل ہوگئی کہ مجھ کو ذرا بھی شک نہیں

امام صاحب تحصیل علم فلسفہ میں مصروف ہوتے +

ہے - پس اے عزیز اس علم کی حکایت مجھ سے سُن - اور اُن کے علوم کا ماحصل مجھ سے دریافت کر - کہ میں نے اُن کے بہت سے علوم دیکھے جس کی بے شمار اصناف ہیں - گو متقدمین فلاسفہ اور متاخرین اور متوسطین اور اوائل میں اس باب میں بہت فرق تھا کہ بعض حق سے بہت بعید تھے اور بعض قریب - لیکن باوجود اینہمہ کثرتِ اصناف داغِ کفر و الحاد سب پر لگا ہوا ہے ٭

اقسام فلاسفہ

جملہ اقسام فلاسفہ کو نشان کفر شامل ہے

فلاسفہ کے تین اقسام ہیں

جاننا چاہیئے کہ فلسفیوں کے اگرچہ بہت سے فرقے اور مختلف مذاہب ہیں - لیکن ان سب کی تین قسمیں ہیں - یعنے دہریہ - طبعیہ - الٰہیہ ٭

۱ - دہریہ

قسم اوّل دہریہ

یہ گروہ متقدمین فلاسفہ سے ہے - ان کا یہ قول ہے کہ اس جہان کا کوئی صانع - مدبر عالم و قادر نہیں ہے - اور یہ عالم ہمیشہ سے اپنے آپ بے صانع موجود چلا آتا ہے - اور ہمیشہ حیوان نطفہ سے اور نطفہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے - اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہا ہے - اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا - یہ لوگ زندیق ہیں ٭

۲- طبعیہ

قسم دوم طبعیہ -

ان لوگوں نے عالم طبعیات اور عجائبات حیوانات اور نباتات پر زیادہ تر بحث کی ہے- اور علم تشریح اعضائے حیوانات میں زیادہ خوض کیا ہے- اور اُن میں عجائب صنع باری تعالیٰ و آثار حکمت پائے ہیں- پس لاچار اُنھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ضرور کوئی بڑی حکمت والا قادر مطلق ہے جو ہر امر کی غایت اور مقصد پر اطلاع رکھتا ہے- کوئی ایسا نہیں کہ علم تشریح اور عجائب منافع اعضا کا مطالعہ کرے اور اُس کو بالضرور یہ علم حاصل نہ ہو کہ ساخت حیوان اور خصوصاً ساخت انسان کا بنانے والا اپنی تدبیر میں کامل ہے- لیکن چونکہ ان لوگوں نے زیادہ تر بحث طبعیات سے کی ہے اس لئے اُن کی رائے میں قواے حیوانیہ کے قیام میں اعتدال مزاج کو بہت بڑی تاثیر ہے- بدیںوجہ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی قوت عاقلہ بھی تابع مزاج انسانی ہے اور مزاج کے باطل ہوجانے سے وہ بھی باطل ہوکر معدوم ہوجاتی ہے- اور جب وہ معدوم ہوگئی تو پھر بموجب ان کے زعم کے اعادۂ[لہ] معدوم

لہ منجملہ اُن مباحث کلامیہ کے جن پر ہمارے علمار متکلمین نے مشکل مشکل اور لاطائل بحثیں کی ہیں ایک مسئلہ اعادہ معدوم ہے- یعنے یہ مسئلہ کہ آیا جو شے نیست و نابود ہوجائے وہ بعینہ پھر پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں- جمہور حکمار اور بعض متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادہ معدوم محال ہے- یعنے کوئی شے نیست و نابود ہوکر بعینہ پھر پیدا نہیں ہوسکتی- دیگر متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اعادہ معدوم جائز ہے- جو امتناع اعادہ

کسی طرح متصور نہیں۔ پس، وہ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ روح مر جاتی ہے۔ اور پھر عود نہیں کرتی۔ اس لئے اُنھوں نے آخرت کا اور بہشت و دوزخ کا اور قیامت و حساب کا انکار کیا ہے۔ غرض اُن کے نزدیک نہ کسی طاعت کا ثواب ہے نہ کسی گناہ کا عذاب۔ پس وہ بے لگام ہوگئے ہیں۔ اور بہایم کی طرح شہوات میں منہمک ہیں۔ یہ لوگ بھی زندیق ہیں کیونکہ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین کیا جائے۔ اور یہ لوگ اگرچہ اللہ اور اُس کی صفات پر تو ایمان لائے ہیں مگر یوم آخرت سے منکر ہیں ✦

۳۔ الٰہیہ

قسم سوم الٰہیہ ✦

یہ لوگ متاخرین اہل فلسفہ ہیں اور ان ہی میں سے سقراط ہے

اعادہ معدوم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر جواہر و ذوات باسرہا معدوم ہو جاویں تو شخص مُعاد بعینہٖ شخص اوّل جس پر عدم طاری ہوا تھا نہ ہوگا۔ اور اس لئے اس صورت میں ایصال ثواب و عقاب بھی ممکن نہ ہوگا ✦

علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ منجملہ دیگر تشخصات موجودات کے زمان بھی ہے۔ پس اگر اعادہ معدوم مع جملہ تشخصات ممکن ہو تو اعادہ زمان بھی لازم آئے گا۔ جو ناممکن ہے۔ اس کے جواب میں ہمارے علمأ نے طول طویل بحثیں کی ہیں۔ اور حق الامر یہ ہے کہ اگر زمان کو تشخصات میں داخل سمجھا جاوے تو جواز اعادہ معدوم ثابت کرنا محال ہے ✦ (مترجم)

جو اُستاد تھا افلاطون کا جو اُستاد تھا ارسطا طالیس کا - ارسطا طالیس وہ شخص ہے جس نے اُن کے لئے علم منطق مرتب کیا۔اور دیگر علوم کو ترتیب دیا۔اور جن علوم کا پہلے خمیر نہ ہوا تھا اُن کے لئے اُن علوم کا خمیر کردیا۔اور جو علوم خام تھے اُن کو پختہ بنایا۔اور جو مبہم تھے اُن کو واضح کردیا ٭

اِن سب فلسفیوں نے پہلے دونوں فرقے یعنے دہریہ و طبعیہ کی تردید کی ہے۔اور اس قدر اُن کی فضیحت کی ہے کہ غیروں کو اسکی ضرورت نہیں رہی - ان کی آپس کی لڑائی کے سبب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اُن کے مقابلہ سے بچالیا - پھر ارسطا طالیس نے افلاطون اور سقراط کی اور اُن سب فلاسفہ الٰہیہ کی جو اُس سے پہلے گذرے ہیں ایسی تردید کی ہے کہ کچھ کسر باقی نہیں رکھی۔اور اُن سب سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے۔لیکن اُس نے بعض رذایل کفر و بدعت ایسے چھوڑ دیئے جس کی تردید کی توفیق خدا تعالیٰ نے اُس کو نہیں بخشی تھی - پس واجب ہے کہ اُن کو اور اُن کے اتباع مثلاً علماء اسلام میں سے **بُوعلی ابن سینا** اور **فارابی** وغیرہ کو کافر[۵] کہا جائے - کیونکہ ان دو شخصوں کی مانند اَور کسی شخص نے فلاسفہ اہل اسلام میں سے فلسفہ ارسطا طالیس کو اس قدر کوشش سے نقل نہیں کیا اور اِن شخصوں کے

تکفیر بُوعلی سینا و بونصر فارابی

[۵] - امام صاحب کی تقریر سے محض ملا پن ظاہر ہوتا ہے - امام صاحب نے اگرچہ اس مقام پر کوئی عام اصول تکفیر قائم نہیں کیا - الّا جس بناء پر اُنھوں نے

سوائے اَور اشخاص نے اگر کچھ لکھا بھی ہے تو اُن کے دلایل خلط ملط ہیں اور

بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ وہ اُن کی تحریر سے ظاہر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ دیگر علمأنے بھی علوم فلاسفہ میں کتابیں لکھی ہیں اِلّا اُن کی تحریریں ایسی واضح نہیں ہیں جیسی بوعلی سینا کی ہیں۔ اس لئے بوعلی سینا کی تحریر سے لوگوں کے عقاید میں فتور آنے کا زیادہ تر اندیشہ ہے۔ دوسرے مصنفوں کی تحریریں خلط ملط ہیں جن سے پڑھنے والوں کا دل اُکتا جاتا ہے۔ اور ذہن مشوش ہوجاتا ہے ✤

امام صاحب کی اوّل تو یہ سخت غلطی ہے۔ کہ تکفیر کا مدار نفس خیالات مصنف پر رکھنے کے بجائے اُس اثر پر رکھا ہے جو اُس کی تصنیف سے پڑھنے والوں پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر یہ اصول تکفیر تسلیم کیا جاوے۔ تو خداوند تعالیٰ کے اس قول کی نسبت جہاں قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً کیا سمجھا جائیگا ✤

دوم یہ نہایت پست ہمتی و بُزدلی ہے۔ کہ امام غزالیؒ سا جید عالم مذہب اسلام کو فلسفہ کے روبرو لانے سے ڈرے۔ اور غایت نصرت دین اس میں تصوّر کرے کہ مسلمانوں کے کانوں اور آنکھوں کو کلام فلاسفہ کے سُننے اور پڑھنے سے باز رکھے۔ کیا حقیقت میں مذہب اسلام ایسا بودا ہے۔ کہ وہ علوم حکمیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے۔ کہ لوگوں کی آزاد رائے کو دباکر اور بذریعہ فتوئے کفر تخویف کام میں لاکر شیوع علوم کو روکنے سے مذہب کو دوامی استحکام و نصرت حاصل ہوسکے۔ ہرگز نہیں۔ اس قسم کے کفر کے فتووں کے دینے اور مخالف رایوں کے دبانے کا دنیا میں ہمیشہ یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ ضدیت کو قوت اور مخالفت کو اَور زیادہ تر اشتعال ہوا ہے ✤

خالی از خبط نہیں - پڑھنے والے کا دل گھبرا جاتا ہے اور وہ نہیں

امام صاحب کے زمانہ میں بعض کتب حکمیہ کے ترجمے نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہوئے تھے - امام صاحب خوش ہوتے تھے - کہ نہ یہ ترجمے کسی کی سمجھ میں آویں گے نہ اُن کے عقاید میں فتور واقع ہوگا - اور جن لوگوں نے یہ ناقص ترجمے کئے تھے - اُن کے حق میں امام صاحب نے یہ رعایت فرمائی - کہ اُن کو کافر نہیں کہا - مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی - آخر وُہی علوم حکمیہ جن کو امام صاحب دبانا چاہتے تھے دنیا میں پھیلے - اور آجکل اس کثرت سے شایع ہوئے ہیں - کہ گلی کوچوں میں پھیل گئے ہیں - اور گو اُن کو بالتفصیل جاننے والے اس ملک میں ابھی کسی قدر کم ہیں - الّا اُن علوم کے نتایج اور امور محققہ سے عوام تک آگاہ ہوگئے ہیں +

یہ تائید و نصرت دین تھی امام غزالیؒ صاحب کی - مگر اس زمانہ کا ایک محقق لکھتا ہے - کہ " کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے - جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کردے - مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے - اور میں یقین کرتا ہوں - کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں " وہ کہتا ہے کہ کوئی لفظ اسلام کا ایسا نہیں ہے جس پر بحث سے کچھ اندیشہ ہو اور سچ میں یہی خوبی ہے کہ اُس کو بحث سے اندیشہ نہیں ہے " +

اب دیکھنا چاہیئے کہ اصلی طریقہ تائید و نصرت اسلام کا وہ ہے جو امام صاحب نے اختیار کیا تھا - یا وہ جو اس پچھلے شخص نے اس زمانہ میں اختیار کیا ہے + (مترجم)

نیم حاشیہ بقیہ

پہچان سکتا کہ میں کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا۔اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کس امر کو قبول کرنا چاہیئے۔اور کس کو رد کرنا چاہیئے ✦

ہمارے نزدیک فلسفہ ارسطا طالیس سے جو کچھ حسب نقل ان دو شخصوں کے صحیح ہے اُس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل قسم۔ وہ جس سے تکفیر واجب ہے ✦

دوم قسم۔ وہ جس سے بدعتی قرار دینا واجب ہے ✦

سوم قسم۔ وہ جس کا انکار ہرگز واجب نہیں ✦

اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں ✦

اقسام علوم فلاسفہ

علوم فلسفیہ کے چھ اقسام ✦

جاننا چاہیئے کہ اُس غرض کے اعتبار سے جس کے لئے ہم علوم کی تحصیل کرتے ہیں۔علوم فلسفہ کی چھ[1] قسمیں ہیں۔

(۱) ریاضی۔ (۲) منطق۔ (۳) طبعیات۔ (۴) الٰہیات۔ (۵) سیاستِ مُدن۔ (۶) علم اخلاق ✦

۱۔ریاضی

علم ریاضی۔ یہ علم متعلق ہے حساب و ہندسہ و علم ہیئت عالم سے

[1] احیاء العلوم میں امام صاحب نے علم فلسفہ میں صرف چار علوم ریاضی۔منطق۔ الٰہیات۔ طبیعات کو شامل کیا ہے مگر کچھ شک نہیں کہ علم سیاست مدن اور علم اخلاق بھی فلسفہ میں داخل ہیں اور حکماء حال بھی ان ہر دو علوم کو داخل علم فلسفہ سمجھتے ہیں ✦ (مترجم)

اور اُن کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی امر دینی متعلق نہیں۔

علوم ریاضی سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

بلکہ یہ امور استدلالی ہیں کہ ان علوم کو جاننے اور سمجھنے کے بعد اُن سے انکار ہو ہی نہیں سکتا مگر ان علوم سے دو آفتیں[۱] پیدا ہوئی ہیں +

آفت ۱ [۱] جن دو آفتوں میں امام صاحب کے زمانہ کے مسلمان مبتلا تھے اُنھیں آفتوں میں زمانہ حال کے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ پہلی آفت میں مبتلا تو اُن لوگوں کا گروہ ہے جنھوں نے علوم انگریزی جدیدہ میں تعلیم پائی ہے۔ چونکہ اُنھوں نے ہیئت و کیمیا و طبعیات میں کمال درجہ کی مزاولت پیدا کی ہے ان علوم کے براہین واضح نے جو سراسر مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں اُن کی طبیعتوں کو ہر امر کے ثبوت میں دلایل یقینی طلب کرنے کا عادی بنا دیا ہے۔ اور اُن کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ اگر فی الواقع دنیا میں کوئی سچائی ہے تو اُس کے ثبوت میں ایسے ہی قطعی دلایل ضرور مل سکتے ہوں گے۔ لیکن مذہب کے لئے ایسے قطعی ثبوت کا ملنا ہماری موجودہ خلقت کی حالت میں ناممکن ہے۔ مذہب کے ثبوت سے میری مراد اُن فروعی مسائل سے نہیں ہے جن کا بتمامہ قطعی دلائل سے ثابت ہونا ظاہرا امر محال ہے۔ بلکہ میری مراد اصل اصول جملہ مذاہب سے ہے جس سے کسی اہل مذہب کو مفر نہیں ہے۔ مثلاً ہر اہل مذہب کو خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی مسلمان ہو۔ یا آزاد منش خود پسند براہمو۔ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین کرنا ضرور ہے مگر کیا اس یقین کے لئے ایسے قطعی دلایل مل سکتے ہیں جیسے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کہ مثلث کے کوئی سے دو ضلع ملکر تیسرے ضلع سے بڑھے ہوتے ہیں

آفت اول - یعنے یہ خیال کہ اگر اسلام برحق ہوتا تو اسکی حقیت فلاسفہ ریاضی داں پر مخفی نہ رہتی

آفت اوّل یہ ہے کہ جو شخص ان علوم میں غور کرتا ہے وہ ان علوم کی باریکیوں اور اُن کی روشن دلیلوں سے متعجب ہوتا ہے اور اس سبب سے وہ فلاسفہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے - اور اُس کو یہ

نہیں ہرگز نہیں - کس طرح ایسا قطعی ثبوت بہم پہونچ سکتا ہے ایسی ذات کے لئے جسکو نہ دیکھ سکتے ہیں - نہ سمجھ سکتے ہیں - جو نہ جوہر ہے نہ عرض - جو نہ یہاں ہے نہ وہاں نہ کسی اور جگہ - مگر سب جگہ ہے - جو نہ کان رکھتا ہے نہ آنکھیں نہ ہاتھ - مگر سنتا ہے اور دیکھتا ہے - اور تمام عالم کا صانع ہے *

جب سب سے مقدم اور سب سے عام عقیدہ مذہبی کا یہ حال ہے - تو اُسکے فروعات میں تو ایسے قطعی ثبوت کی جیسے مسائل علوم جدیدہ میں دیئے جاسکتے ہیں کیا ہی توقع ہوسکتی ہے - پس یہ فرقہ اُن تمام عقاید مذہبی سے جن کا ایسا روشن ثبوت نہیں دیا جا سکتا منکر ہوگیا ہے یہ ایک گروہ ہے خوش منش لا مذہب نوجوانوں کا جو نہ صرف منکر رسالت ہیں - بلکہ وہ نہ خدا کے معتقد ہیں - نہ مذہب کے پیرو - نہ عقبیٰ کے قائل - نہ کبائر سے مجتنب نہ احکام الٰہی کے پابند - اُن کا مذہب صرف یہ ہے کہ ہر ایک فعل جس سے نفس انسانی کو حظ حاصل ہو بشرطیکہ اُس پر کوئی گرفت قانون کی نہ ہوتی ہو جائز ہے - افسوس ہے کہ یہ خوفناک فرقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے - اور ہمارے علماء کو اس آفت کے روکنے کی ذرا فکر نہیں ہے - بلکہ اگر کوئی خدا ترس بقدر اپنی استعداد کے اس آفت کے دور کرنے میں سعی کرتا ہے - تو ہمارے علمائے دین اُس کو بھی اُنھیں آفت زدوں میں شمار کرنے لگتے ہیں *

گمان ہوجاتا ہے کہ فلسفیوں کے اَور سب علوم بھی وضاحت اور استحکام دلیل میں اسی طرح ہیں۔ پھر چونکہ یہ شخص پہلے سے سن چکتا

اس آفت کے روکنے کی سب سے اوّل تدبیر جو ہمارے علماء کے ذہن میں آویگی وہ غالبًا یہ ہوگی کہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی اشاعت روکی جاوے۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے۔ یہ آفت انگریزی زبان سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کے مورث علوم حکمیہ جدیدہ ہیں۔ یہ علوم زبان اُردو میں ترجمہ ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ سلطنت ٹرکی کے علماء نے ان علوم کو زبان عربی میں بھی ترجمہ کرلیا ہے اور ان عربی کتابوں کا اس ملک میں بھی رواج ہوتا جاتا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ میں بھی یہ آفت اُس وقت پھیلی تھی جب یہ علوم زبان عربی میں ترجمہ کیئے گئے تھے اس ملک میں گو یہ علوم ابتدًا بذریعہ زبان انگریزی کے آئے ہوں۔ لیکن اب اُن کی اشاعت اس قدر ہوگئی ہے۔ اور ان علوم کی کتابوں کے ترجمے اُردو۔ فارسی۔ عربی میں اس کثرت سے ہوگئے ہیں کہ اب ان علوم کی عام واقفیت حاصل کرنے کے لئے انگریزی زباندانی کی احتیاج نہیں رہی ہے۔ بلکہ وہ خیالات جو محرک زندقہ و الحاد ہوتے ہیں بذریعہ زبانہائے مشرقی و بذریعہ اختلاط مختلف اقوام شایع ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسی صورت میں ایک انگریزی زبان کی تعلیم بند کرنے سے کسی فائدہ کی توقع نہیں ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو نہ صرف یہی کافی ہوگا کہ زبان اُردو کی حرف شناسی اور عربی زبان کی تعلیم بالکلیہ بند کی جاوے۔ بلکہ یہ کہ خلقت کو کانوں سے بہرا اور آنکھوں سے اندھا بنادیا جاوے تاکہ اُن بدنصیبوں کے حواس خیالات ملحدانہ کو کسی راہ سے اُن کے دل و دماغ و روح تک نہ پہونچا سکیں +

ہے کہ یہ لوگ کافر اور معطل تھے اور امور شرعی میں سستی کرتے تھے۔
اس لئے وہ محض تقلید کا انکار کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر دین

بقیہ حاشیہ

دوسری آفت اہل اسلام پر خود علمائے دین کی طرف سے آئی ہے جنکو امام صاحب نے واجبی طور پر **اسلام کے جاہل دوست** کا لقب دیا ہے۔ یہ مقدس گروہ مخالفت علوم حکمیہ جدیدہ کو شرط اتقا و دینداری سمجھتا ہے۔ اور اُن تمام واقعات نفس الامری سے جو ان علوم میں بذریعہ تجربہ و مشاہدہ ثابت ہوچکے ہیں۔ اور جن کا متحقق ہونا تمام عقلائے عالم نے تسلیم کرلیا ہے انکار کرتے ہیں۔ اور صرف اس حیلہ پر کہ حواس انسانی کی ادراکات میں غلطی کا ہونا ممکن ہے اپنے تئیں اور تمام عقلاء کو اندھا اور بہرا کہلانا گوارا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ از روئے مذہب اسلام یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب اُس کے گرد گردش کرتا ہے اور آسمان مجوف کُروی جسم گنبد یا چورس چھت کی مانند ہے۔ اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور اُس میں چوکھٹ کواڑ۔ قبضے۔ کڑے۔ کنڈے سب لگے ہوئے ہیں +

جلال الدین سیوطی نے آیات قرآنی اور روایات اسلامی سے اخذ کرکے ایک ہیئت اسلامی بنائی ہے۔ اور اُس پر ایک رسالہ مسمی بہ الہیئۃ السنیہ تحریر کیا ہے۔ فخرالاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے اس رسالہ کے بعض مضامین کو اپنی ایک تحریر میں مختصراً بیان کیا ہے جو ہم یہاں بجنسہ نقل کرتے ہیں +

وہ لکھتے ہیں کہ عرش یعنے فلک الافلاک کے گرد چار نہریں ہیں۔ ایک نور کی ایک نار کی۔ ایک برف کی۔ ایک پانی کی۔ پھر لکھا ہے کہ کل دنیا کے لوگوں کی

اسلام سچ ہوتا تو ایسے لوگوں پر جنھوں نے اس علم میں ایسی باریکیاں نکالیں کبھی مخفی نہ رہتا - پس جب وہ اُن کے کفر اور انکار کی بابت

جس قدر بولیاں ہیں اُتنی ہی زبانیں عرش کی ہیں - پھر لکھا ہے کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے - اور عرش کے نیچے بحر مسجور ہے - ایک روایت کی سند پر لکھا ہے کہ عرش سبز زمرد کا ہے - اُس کے چار پائوں یاقوت احمر کے ہیں - عرش کے آگے ستر ہزار پردے ہیں - ایک نور کا - ایک ظلمت کا - جبرئیل نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے جاؤں تو جل جاؤں +

اگر یک سر موئے برتر پرم

فروغِ تجلّے بسوزد پرم

پھر لکھتے ہیں کہ زمین کے گرد پیتل کا پہاڑ ہے جو زمین کو محیط ہے - پھر لکھتے ہیں کہ سات زمینیں مثل سات آسمانوں کے توبرتو ہیں - ہر ایک زمین کی موٹائی پانسو برس کی راہ چلنے کے برابر ہے - اور ہر ایک طبقہ زمین کو ایکدوسرے سے اسی قدر فاصلہ ہے - رعد کو وہ ایک فرشتہ - اور اُس کے آواز کو کڑک اور اُس کی بھاپ یا کوڑہ کی چمک کو بجلی قرار دیتے ہیں +

مد وجزر سمندر کی بابت روایت کرتے ہیں کہ جب فرشتہ سمندر میں پائوں رکھدیتا ہے تو مد ہوتا ہے اور جب نکال لیتا ہے تو جزر ہوتا ہے +

اب ہر ایک شخص جس کو خدا نے کچھ عقل دی ہے سمجھ سکتا ہے - کہ ان لغو اور مہمل اقوال کو دیکھکر محققین علوم جدیدہ مذہب اسلام کی نسبت کیا خیال کرتے ہوں گے - امام صاحب کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ اُن محققین کو اپنے دلایل کی صحت میں تو کچھ شک

تقویۃ جالینوس

سن چکتا ہے تو یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ حق الامر یہ ہے کہ دین سے اعراض و انکار کیا جائے میں نے بہت سے اشخاص دیکھے ہیں جو

نتیجہ خاتمہ

پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اُن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام دلایل قطعی کے انکار اور جہالت پر مبنی ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ سے رغبت اور اسلام سے نفرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا +

مگر امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ دونوں آفتیں فلسفہ سے پیدا ہوئی ہیں کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔آفت اوّل کی نسبت شاید کسی قدر یہ خیال صحیح ہو مگر دوسری آفت خود علمائے دین نے اپنی جہالت سے پیدا کی ہے۔اور وہ جہالت علوم حکمیہ و فلسفہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ہے۔اور اگر یہ کہا جاوے کہ چونکہ یہ آفت علوم حکمیہ سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لئے من وجہ اُن علوم کو اُس کا باعث سمجھنا چاہئے۔تو معاذ اللہ اسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کفر و ضلالت کا موجب قرآن مجید ہے۔کیونکہ کفر و ضلالت بھی قرآن مجید سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے +

یہ دوسری آفت **اسلام کے جاہل دوستوں** کی محض اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔بلکہ اس آفت نے کچھ شک نہیں کہ پہلی آفت کو اور بھی خطرناک بنا دیا ہے کیونکہ علوم حکمیہ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اپنی دلایل یقینیہ و مسائل قطعیہ کے ذریعہ سے نوجوانوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔اُس کے مقابلہ میں ہمارے علماء نے دین اسلام کو نہایت بھدی۔بدنما۔کریہ منظر ڈراونی صورت میں پیش

صرف اتنی ہی بات سے راہ حق سے بھٹک گئے اور ین کے پاس سوائے اتنی بات کے اَور کوئی سند نہیں تھی۔ جب ایسے شخص کو یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص ایک صفت خاص میں کامل ہو ضرور نہیں کہ وہ ہر ایک صفت میں ویسا ہی کامل ہو۔ مثلاً جو شخص علم فقہ یا کلام میں ماہر ہو ضرور نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو معقول سے ناواقف ہو وہ علم نحو سے بھی ناواقف ہو بلکہ ہر کارے و ہر مردے۔ ایسے لوگ اپنے فن کے شہسوار و ماہر کامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اَور چیزوں میں محض احمق و جاہل ہوں۔ پس اوائل فلاسفہ کا کلام در باب علوم ریاضی استدلالی ہے اور در باب الٰہیات محض ظنی۔ اس کی معرفت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس نے

بقیہ حاشیہ

کیا۔ کیا اسلام کی حقیقت میں ایسی ہی صورت ہے جیسے ان خدا ناترسوں نے دنیا پر ظاہر کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسلام کی یہ صورت اُن لغو و مہمل و موضوع اقوال سے بن رہی ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اُن میں ملائے ہیں اور یقین دلایا ہے کہ یہ جزو مذہب اسلام ہیں۔ اب وقت ہے کہ یہ اسلام کے جاہل دوست اُس کے سچے اور خالص دوست بنیں۔ اور اس زمانہ میں جو عیب اسلام پر لگائے جاتے ہیں وہ اپنے اوپر لیں اور اعتراف کریں کہ جن امور کو دنیا نے موردِ طعن و تشنیع ٹھیرایا ہے وہ ہمارے اور ہمارے باپ دادوں کے اپنے اقوال ہیں جو اسلام میں مختلط ہوگئے ہیں۔ ورنہ مذہب اسلام اُن تمام عیوب سے مبرّا و منزّہ ہے ✦

اسلام بذاتِ خویش ندارد عیبے ✦ ہر عیب کہ ہست در مسلمانیٔ ماست

اُس کا تجربہ کیا ہو اور اُس میں خوض کیا ہو۔ جب ایسے شخص کے ساتھ جس نے "تقلید اختیار کی ہو یہ "تقریر کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ غلبۂ ہوا و شوقِ بطلان اور عقلمند کہلانے کی آرزو اُس کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ جمیع علوم میں فلسفیوں کی تحسین پر اصرار کرے۔ غرضکہ یہ آفت عظیم ہے۔ اور واجب ہے کہ ہر ایک ایسے شخص کو جو اِن علوم میں خوض کرے بوجہ اس آفت کے زجر کیجائے۔ کیونکہ اگرچہ یہ امور دین سے بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ ان کے دیگر علوم کی بنیاد اِنھیں پر ہے اس لئے اُن سے دین کو خرابی اور آفت پہونچتی ہے۔ پس جو کوئی اس میں خوض کرتا ہے اُس کی نسبت یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ دین سے خارج ہوگیا اور اُس کے مُنّہ سے لگامِ تقوے نکل گئی۔

آفت دوم۔ بعض جاہل خیرخواہان اسلام نے انکار علوم ریاضی کرکے اسلام کو مخالف علوم حکمیہ مشہور کیا۔

آفت دوم۔ یہ آفت **اسلام کے جاہل دوستوں** سے پیدا ہوئی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ دین کی فتح یابی یہ ہے کہ جو علم فلاسفہ کی طرف منسوب ہو اُس سے انکار واجب ہے۔ اس لئے اُنھوں نے جملہ علوم فلاسفہ سے انکار کیا ہے۔ اور اُن کی جہالت نے اُن کو یہانتک آمادہ کیا کہ جو کچھ فلسفیوں نے کسوف و خسوف کے باب میں لکھا ہے اُس سے بھی انکار کیا۔ اور یہ سمجھا کہ اُن کے یہ اقوال بھی خلاف شرع ہیں۔ جب یہ بات ایسے شخص کے کان میں پڑتی ہے جس کو

یہ امور دلیل قطعی سے معلوم ہو چکے ہیں تو اُس کو اپنی دلیل میں تو کچھ شک پیدا نہیں ہوتا لیکن اُس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام اس دلیل قطعی کے انکار اور جہل پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلسفہ کی محبت اور اسلام کی طرف سے بغض روز بروز ترقی پاتا ہے۔ پس جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا۔ شرع میں ان علوم کے نفی یا اثبات سے کچھ بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ ان علوم میں کوئی ایسی بات ہے جس کو امور دینی سے تعرض ہو۔ اس قول نبوی صلعم میں

حاشیہ

ے علم ہیئت کی نسبت جو کچھ امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ نہایت صحیح اور معقول ہے۔ اور جو نصیحت امام صاحب نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو پانچویں صدی کے اخیر میں کی تھی وہ اس چودھویں صدی کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے بھی ازبس مفید و ضرور ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امام صاحب کی یہ تحریر صرف علم ہیئت قدیم یونانی سے متعلق ہوسکتی ہے۔ جس کا اُن کے زمانہ میں رواج تھا۔ لیکن امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالتخصیص کسی خاص نظام ہیئت سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ علم ہیئت کی نسبت عام طور پر رائے ظاہر کی گئی ہے۔ خواہ وہ نظام **بطلیموسی** ہو۔ یا نظام **فیثاغورثی** یا کوئی اور نظام۔ صرف دو امور قابل لحاظ ہیں۔ اوّل یہ کہ امام صاحب نے بالعموم ان امور محققہ کے انکار کو جو قطعی دلایل ہندسیہ سے ثابت ہوگئے ہوں موجب تضحیکِ دین اسلام سمجھا ہے۔ دوم یہ کہ قدیم ہیئت یونانی سے بعض

کہ چاند اور سورج منجملہ اللہ کی نشانیوں کے ہیں۔ جن کا خسوف نہ کسی کی موت کے سبب ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیات کے باعث۔

ایسے مسائل کی جو حسب روایات اسلامی و تفسیر علماء مفسرین داخل عقاید اسلام سمجھے جاتے تھے تکذیب ہوتی تھی۔ مثلاً ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا۔ آسمانوں میں دریا کا ہونا۔ آفتاب کا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبنا۔ شہاب ثاقب کا شیاطین کی مار کے واسطے پھینکا جانا۔ سکون زمین کے لئے پہاڑوں کا بطور میخوں کے گاڑا جانا۔ زلزلہ زمین کا بوجہ گناہ خلقت کے وقوع میں آنا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل کی یونانی علم ہیئت تکذیب کرتا ہے۔ مگر باوجود اِس کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم کو نفیاً یا اثباتاً دین اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب ان لغو و مہمل روایات کو جن کا ہم نے اوپر اشارہ کیا داخل مذہب نہیں جانتے تھے اور خالص دین اسلام کو ان عیوب سے مبرّا سمجھتے تھے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا امام صاحب کے پاس ایسی کونسی کسوٹی تھی جس سے وہ صحیح و غیر صحیح روایات میں تمیز کرلیتے تھے۔ اور جائز اور ناجائز کا فتوے دیدیتے تھے۔ منقولات میں تو بجز کلام الٰہی کے اَور کسی کسوٹی کا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ وُہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کی صحت کی نسبت کوئی مسلمان دم نہیں مار سکتا۔ اس کے سواء جتنی اَور کسوٹیاں خیال میں آتی ہیں اُن کی صحت متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اُن کی صحت کے لئے اَور کسوٹی کی تلاش کرنی پڑتی ہے ؎

البتہ معقولات میں تجربہ و درایت ایسی فطری کسوٹیاں ہیں جن کے ذریعہ سے

پس جب تم اُن کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے کی طرف متوجہ ہو۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ جس سے انکار حساب واجب ہو کہ اُس کے

ہر ایک مذہب کا پیرو اور ہر علم کا عالم تحقیق حق کرتا ہے ۔

یہ کسوٹیاں ہر زمانہ کے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں ۔ اور امام صاحب کے پاس بھی اس سے بڑھ کر اَور کوئی ذریعہ تحقیق کا نہ تھا ۔ پس اگر اس زمانہ میں بھی ہمارے معلومات مذہبی میں کوئی ایسا امر پایا جائے ہیں کی ان کسوٹیوں سے تکذیب ہوتی ہو ۔ تو اُس کا ابطال و انکار واجب ہوگا ۔

امام صاحب نے اس امر کو اپنی کتاب **تہافتہ الفلاسفہ** میں کسی قدر مشرح بیان کیا ہے جس کو ہم بالاختصار یہاں نقل کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ منجملہ اُن مسائل اختلافی کے جن میں فلاسفہ اور اہل اسلام کا باہم تنازع ہے بعض وہ مسائل ہیں جن سے اصول دین کو کچھ ضرر نہیں پہونچتا ۔ اور نہ بنظر تصدیق انبیاءؑ اُن مسائل کی تردید ضروری ہے ۔ مثلاً علماء ہیئت کہتے ہیں کہ زمین کرہ ہے اور اُس کے چاروں طرف آسمان محیط ہے ۔ اور نور قمر نور شمس سے مستفاد ہے ۔ جب شمس و قمر کے درمیان کرہ زمین کے حائل ہونے کی وجہ سے قمر تاریک رہ جاتا ہے تو اُس تاریکی کو کسوف قمر سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور کسوف شمس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے کرہ زمین اور شمس کے درمیان چاند حائل ہوجاوے ۔ اور یہ اُس صورت میں وقوع میں آتا ہے کہ جب دقیقہ واحد میں شمس و قمر کا عُقد تین پہ اجتماع ہوجاوے ۔ ہمکو اس علم کے ابطال میں خوض نہیں کرنا چاہئے ۔ کیونکہ ہم کو اس سے کچھ سروکار نہیں ۔ جو شخص یہ گمان

ذریعہ سے چاند و سورج کی رفتار یا اُن کا ایک وجہ مخصوص پر اجتماع یا
تقابل معلوم ہوتا ہے - قول مذکورہ بالا میں جو الفاظ لٰکِنَّ اللہَ اِذَا تَجَلّٰی

بقیہ حاشیہ

کرتا ہے کہ ان مسائل ہیئت کا ابطال داخل دینداری ہے وہ دین پر ظلم کرتا ہے اور اُس کو ضعیف بناتا ہے - ان مسائل محققہ علم ہیئت پر ہندسہ و حساب کے رُو سے ایسے دلایل قطعی قائم ہوچکے ہیں کہ اُن میں شک کی مجال نہیں ہے - جو شخص ان دلایل سے واقف ہو اور اُسنے اُنکی خوب تحقیق کر لی ہو اور وہ حساب کے رُو سے کسوف و خسوف کی پہلے سے خبر دیدے اور یہ بھی بتادے کہ کسقدر اور کتنی دیر تک کسوف و خسوف رہیگا - اُسکو اگر یہ کہا جائے کہ تمھارا قول خلاف شرع ہے تو اُس کو اپنے قول کے یقینی ہونے میں تو شک ہونے سے رہا ہی - ہو نہ ہو شرع کی صداقت میں ہی اُس کو شبہ پیدا ہوگا - پس بقول شخصے کہ جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہیں اُن سے مذہب اسلام کو اس قدر ضرر نہیں پہونچتا جس قدر اُن لوگوں سے پہونچتا ہے جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے ہیں - اب اگر کوئی کہے - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر منجملہ آیاتِ خداوندی ہیں - ان کا کسوف و خسوف کسی کے مرنے یا جینے سے تعلق نہیں رکھتا - جب تم کسوف و خسوف ہوتا دیکھو اللہ کی یاد کرو اور نماز پڑھو - اب اگر علمائے ہیئت کا قول صحیح ہے تو اُس کو اس حدیث سے کیا نسبت ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اور قول مذکورہ بالا میں تناقض نہیں ہے - کیونکہ حدیث مذکورہ میں صرف دو باتیں بیان ہوئی ہیں - ایک تو یہ کہ کسوف و خسوف کسی کے مرنے جینے سے تعلق نہیں رکھتے - اور دوسرے یہ کہ کسوف و خسوف کے وقت نماز پڑھو لیکن

لِلْشَّیْئِ خَضَعَ لَہٗ بیان کئے جاتے ہیں وہ صحاح ستہ میں ہرگز موجود نہیں +

جواب

جب شرع میں قریب وقت زوال و غروب و طلوع شمس کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو کسوف شمس کے وقت بھی استحباباً نماز کے حکم دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک اَوْر حدیث میں آنحضرت صلعم نے اتنا اَوْر زیادہ فرمایا ہے کہ جب کسی شے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو وہ شے اُس کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ تو اُس کا یہ جواب ہے کہ اوّل تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے۔ اندریں صورت راوی کی تکذیب واجب ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو امور قطعیہ کے انکار کی بہ نسبت ایسی روایت کی تاویل کرنا سہلتر ہے۔ بہتیری جگہ بعض ایسے دلایل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح میں اس حد تک نہیں پہونچتے تھے جس قدر دلایل در بارہ کسوف و خسوف پہونچتے ہیں ظاہر آیات کی تاویل کرنی پڑی ہے +

امام صاحب کی اس تمام تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر روایات و مسائل مذہبی میں کوئی امر جو منجملہ مہمات اصول دین نہ ہو کسی مسئلہ مسلمہ علوم حکمیہ کے مخالف پایا جائے۔ اور مسئلہ حکمیہ کے ثبوت میں دلایل قطعی موجود ہوں۔ تو ایسے امر مذہبی کی تاویل کرنی لازم ہوگی۔ دلایل قطعی کی تعریف اور اُن کی شرایط فی الحال ہمارے مقصود سے خارج ہیں۔ اس لئے ہم اُن پر اِس وقت بحث کرکے خلط مبحث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ جن دلایل پر ہیئت جدید مبنی ہے وہ دلایل ہیئت یونانی سے بدرجہا زیادہ یقینی ہیں۔ اور اگر امام صاحب دلایل علم ہیئت

علم ریاضی کی حکمت اور آفت تو یہ تھی جو بیان کی گئی +

۲۔ منطق ۲۔منطقیات۔ اس علم کا کوئی مسئلہ بطور نفی یا اثبات دین سے

یونانی کو قطعی قرار دیتے ہیں۔ تو ہیئت جدید کے دلایل کو اُن کے مقابلہ میں مشاہدہ عینی یا عین الیقین کہنا چاہئے۔ علاوہ ازیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے علمار زمانہ حال کا اس بنار پر علوم حکمیہ کی مخالفت کرنا کہ اُن سے تکذیب عقاید دینی کی ہوتی ہے فی الواقع کہاں تک صحیح ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ہمارے علماء مفسرین نے جو کچھ رطب ویابس اُن آیات کی تفسیر میں لکھا ہے جن میں اجرام سماوی کا کچھ ذکر آیا ہے ہیئت یونانی اُس کی صاف تکذیب کرتا ہے۔ پس اس قسم کا الزام (اگر ایسا الزام لگ سکتا ہو تو) سراسر ہیئت جدیدہ پر ڈال دینا محض تعصب و نادانی ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال پہونچتا ہے شاید صرف وجود خارجی سبع سموات کا ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ہیئت جدیدہ تکذیب کرتا ہے اور ہیئت قدیم تکذیب نہیں کرتا۔ پر درحقیقت ہیئت قدیمہ نے اس مسئلہ اسلامی کو بھی بالکل اچھوتا نہیں چھوڑا۔ بلکہ نو افلاک ثابت کرکے وجود سبع سمٰوات کا بھی ابطال کردیا۔ پس ہم حیران ہیں کہ پھر ہیئت جدیدہ کے اَور کون سے ایسے مسائل ہیں جن سے مسائل دینی کی تکذیب ہوتی ہے۔ اور عقاید مذہبی میں تزلزل واقع ہوتا ہے۔ لیکن بالفرض اگر ایسے مسائل ہوں بھی۔ تو بقول امام صاحب امور قطعیہ کے انکار کی نسبت اُن کی تاویل کرلینا سہل تر ہے۔ اور دین اسلام کو سخت بدنامی کی آفت سے بچانا ہے۔ اور برعکس اس کے ابطال ہیئت جدیدہ کے درپئے ہونا اسلام کی کمال بدخواہی کرنا اور علمی دنیا میں

تعلق نہیں رکھتا ہے - منطق کیا ہے ؟ غور کرنا طریقہائے استدلال و قیاسات پر - و نیز غور کرنا اس امر پر کہ مقدمات برہان کے کیا کیا شرائط ہیں - اور وہ کس طرح مرکب ہوتے ہیں - حد صحیح کی شرائط کیا ہیں - اور اُن کی ترتیب کس طرح ہوتی ہے - و نیز مثلاً یہ امور کہ علم یا تصور ہے - جس کی معرفت حد پر منحصر ہے - یا تصدیق جس کی معرفت برہان پر منحصر ہے - اور اِن امور میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکا انکار واجب ہو - بلکہ یہ تو اُسی قسم کی باتیں ہیں جو خود علماء متکلمین اور اہل نظر نے در باب دلایل بیان کی ہیں - اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف عبارات و اصطلاحات کا ہے - یا اس بات کا کہ اُنھوں نے تعریفات میں زیادہ مبالغہ کیا ہے اور بہت تقسیمیں کی ہیں - اس باب میں اُن کے کلام کی مثال یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہر الف بے ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض بے الف ہے - یعنی جب یہ صحیح ہے کہ ہر انسان حیوان ہے تو لازم آتا ہے کہ بعض حیوان انسان ہیں اور اس مطلب کو اہل منطق اپنی اصطلاح میں اس طرح بیان کیا کرتے ہیں - کہ موجبہ

قواعد منطق سے دین کو کچھ تعلق نہیں اور اُن کے انکار سے خوف بد اعتقادی ہے

کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوا کرتا ہے - پس ان امور کا بھلا اصولِ دین سے کیا تعلق ہے کہ اس سے اعراض و انکار کیا جائے اگر انکار کیا جاوے گا تو اس انکار سے بجز اس کے اور کچھ حاصل

اُس کو ذلیل کرنا ہے جس کا عذاب ہمارے علماء کی گردن پر ہوگا ۔ (مترجم)

نہ ہوگا کہ اہل منطق ایسے منکر کی عقل کی نسبت بلکہ اُس کے دین کی نسبت بھی جو اُس کے زعم میں ایسے انکار پر مبنی ہے بد اعتقاد ہوجاوینگے۔ ہاں اہل منطق اس علم میں ایک تاریکی میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ برہان کے واسطے چند شرایط کا جمع ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ شرایط مذکور سے لا محالہ یقین پیدا ہوگا۔ لیکن مقاصد دینیہ پر پہونچکر وہ اُن شرایط کو نہ نبہا سکے۔ بلکہ اُنھوں نے اس باب میں غایت درجہ کا تساہل برتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص منطق پڑھتا ہے اور وہ اُس کو پسند کرتا ہے کہ یہ ایک علم واضح ہے تو اُس کو یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ فلاسفہ کے جو کفریات منقول ہیں اُن کی تائید میں بھی اسی قسم کے دلایل ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہتوا ہے کہ طالب علم قبل اس کے کہ علوم الٰہیہ تک پہونچے کفر کی طرف عجلت کرتا ہے۔ پس یہ آفت منطق کی طرف ہی منسوب ہے +

۳۔ طبعیات	علم الطبعیات۔ اس[۱] علم میں اجسام عالم سماوی و کواکب

۱؎ طبعیات کی نسبت امام صاحب نے اس مقام پر کچھ زیادہ نہیں لکھا بلکہ کتاب **تہافتہ الفلاسفہ** کا حوالہ دیا ہے۔ کتاب تہافتہ الفلاسفہ میں طبعیات کی زیادہ تفصیل کی ہے۔ چنانچہ اُس کا خلاصہ ہم اس جگہ بیان کرتے ہیں +

امام صاحب فرماتے ہیں کہ طبعیات کے آٹھ اصول ہیں اور سات فروع +

(۸۔ اصول یہ ہیں)

(۱) علم لوازم جسم یعنے انقسام۔ حرکت۔ تغیر۔ زمان۔ مکان۔ خلا +

زائد مترجم

و اجسام مفردہ کرۂ ارض - مثلاً - پانی - ہوا - آگ و اجسام مرکبہ - مثلاً حیوانات - نباتات - معدنیات کی بحث ہوتی ہے - اور نیز اس امر پر بحث کی جاتی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے ان اجسام میں

(۲) علوم اقسام عالم یعنے سموات و اربعہ عناصر ؛

(۳) عالم کون و فساد - تولد - توالد - استحالہ وغیرہ ؛

(۴) علم امتزاجات اربعہ عناصر جن سے بادل - بارش - رعد - برق - ہالہ - قوس قزح - ریاح - زلزلے پیدا ہوتے ہیں ؛

(۵) علم معدنیات ؛

(۶) علم نباتات ؛

(۷) علم حیوانات ؛

(۸) علم نفس حیوانی و قوی ادراک ؛

(۷ فروع یہ ہیں)

(۱) علم طب یعنے علم صحت و مرض انسان ؛

(۲) علم نجوم ؛

(۳) علم قیافہ ؛

(۴) علم تعبیر خواب ؛

(۵) علم طلسمات یعنے قوتہائے سماوی کو اجرام ارضی سے ملانا اور عجائب غرائب افعال کی قوت پیدا کرنا ؛

(۶) علم نیرنجات - متعدد خواص کی چیزوں کا ملانا کہ اس سے کوئی عجیب

تغییر اور استحالہ اور امتزاج واقع ہوتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ طبیب کی سی ہے جو جسم انسان، اور اُس کے اعضاء رئیسہ اور اعضاء خادمہ اور اسباب، استحالہ مزاج کی نسبت بحث کرتا ہے اور جس طرح انکار

جو پیدا ہو ۔

(۷) علم الکیمیا ۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان علوم کے کسی امر سے شرعاً مخالفت لازم نہیں صرف چار مسئلے ہیں جن میں ہم مخالفت کرتے ہیں ۔

(۱) حکماء کا یہ قرار دینا کہ سبب اور مسبب میں جو لزوم پایا جاتا ہے وہ ضروری ہے یعنے نہ سبب بغیر مسبب کے پیدا ہوسکتا ہے نہ مسبب بغیر سبب کے ۔

(۲) نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے ۔ (۳) ان نفوس کا معدوم ہونا محال ہے ۔

(۴) ان نفوس کا پھر اجساد میں واپس آنا محال ہے ۔

اس مقام پر امام صاحب نے چار مختلف مسئلوں کو خلط ملط کردیا ہے اور یہ تصریح نہیں کی کہ جو شخص ان مسائل اربعہ کا قائل ہو اُس کی نسبت کیا حکم ہے ۔ ان مسائل اربعہ میں سے جن میں امام صاحب حکماء سے مخالفت کرنا ضروری جانتے ہیں مسئلہ اوّل تو یقیناً ایسا ہے کہ امام صاحب اُس کے قائل کی نسبت تکفیر جائز نہیں رکھتے ۔ کیونکہ تلازم اسباب طبعی کے باب میں فرقہ معتزلہ کی بھی یہی رائے ہے ۔ اور امام صاحب نے معتزلیوں کی تردید سے منع فرمایا ہے ۔

مسئلہ ثانی کو سب اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اور جمہور اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے کہ نفس انسانی جوہر قایم بنفسہ ہے ۔ امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت

بجز چند مسائل انکار طبیعیات شرط دین نہیں ہے	علم طب شرط دین نہیں ہے اُسی طرح یہ بھی شرط دین نہیں ہے کہ اس علم سے انکار کیا جائے

بجز چند مسائل خاص کے جن کا ذکر ہم نے کتاب تہافت الفلاسفہ

مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے۔ یعنے امام صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جن دلایل عقلیہ سے حکمائے نفس انسانی کا جوہر قایم بنفسہ ہونا ثابت کرتے ہیں وہ دلایل اس غرض کے لیئے کافی نہیں ہیں۔ چنانچہ امام صاحب **تہافتہ الفلاسفہ** میں فرماتے ہیں کہ اس باب (مسئلہ ثانی) میں جو کچھ حکمائے نے تحریر کیا ہے اُس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا از روئے شرع انکار واجب ہو بلکہ ہمارا مطلب حکماء کے اُس دعویٰ پر اعتراض کرنا ہے کہ براہین عقلیہ کے ذریعہ سے نفس کا جوہر قایم بذاتہ ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہم اس امر کو نہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ شرع اس کی مخالف ہے +

علےٰ ہذاالقیاس مسئلہ ثالث کے باب میں جملہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے کہ روح انسانی جسم کے ساتھ فنا نہیں ہوتی بلکہ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اس مسئلہ میں بھی امام صاحب نے حکماء سے صرف طریق ثبوت مسئلہ مذکور میں مخالفت کی ہے نہ نفس مسئلہ میں۔ البتہ صرف مسئلہ رابع ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے قایل کو امام صاحب کافر قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی نسبت ہم نے ایک علیحدہ حاشیہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے +

بحث تلازم اسباب طبعی

اگرچہ مسائل اربعہ مذکورہ بالا میں سے مسئلہ اولیٰ امام صاحب کے نزدیک ایسا

میں کیا ہے۔ ان مسائل کے سوا جن اور مسائل میں مخالفت واجب ہے۔ بعد غور کے معلوم ہوگا کہ وہ انھیں مسائل میں داخل ہیں۔

مسئلہ نہیں ہے جس کے قائل ہونے سے خواہ کفر ہو۔ لیکن بلاشبہ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اور اس زمانہ میں اس پر بحث کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آئی ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہی مسئلہ وہ خطرناک چٹان ہے جس پر اکثر مذاہب کے جہاز آکر ٹکرائے ہیں اور پاش پاش ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم امام صاحب کے دلائل پر یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر کرنا چاہتے ہیں۔ **تہافۃ الفلاسفہ** میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ حکماء کا یہ مذہب ہے کہ سبب اور مسبب میں جو مقارنت پائی جاتی ہے وہ ضروری ہے یعنے سبب اور مسبب کے مابین اس قسم کا لزوم ہے کہ ممکن نہیں کہ سبب بغیر مسبب کے اور مسبب بغیر سبب کے موجود ہوسکے۔ اس مسئلہ میں ہم کو حکماء کے ساتھ اس واسطے نزاع لازم ہے کہ اس سے کل معجزات و خوارق عادات کا مثلاً لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ مُردوں کا زندہ ہونا۔ چاند کا پھٹ جانا وغیرہ کا انکار لازم آتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس بات کے قایل ہوئے ہیں کہ ہر شے کا اپنے مجراے طبعی پر قائم رہنا ضروری ہے۔ انھوں نے ان تمام امور معجز کی تاویلات کی ہیں۔ لیکن درحقیقت سبب اور مسبب کے درمیان لزوم ضروری نہیں یعنے اثبات سبب متضمن اثبات مسبب یا نفی سبب متضمن نفی مسبب نہیں ہے۔ مثلاً پانی پینے اور پیاس بجھنے یا کھانے اور سیر ہونے یا آگ کے قریب آنے اور جلنے وغیرہ مشاہدات میں دو واقعات کا ایک دوسرے کے مقارن ہونا پایا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اس مقارنت کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

اصل اصول تمام مسائل کا یہ ہے۔ کہ آدمی اس بات کو جان لے۔ کہ طبیعت (نیچر) اللہ تعالیٰ کی تسخیر میں ہے۔ کوئی کام نیچر سے خود بخود صدور

ارادہ سے ایک ایسا سلسلہ مقرر کردیا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہمیشہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوتے ہیں۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ فی نفسہ ان واقعات میں کوئی ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقارن واقع ہوں۔ مثلاً آگ سے جلنے کی مثال پر غور کرو۔ ہم کہتے ہیں کہ قرب آتش اور جلنے میں ضروری لزوم نہیں ہے۔ یعنے عقل اس بات کو جائز ٹھیراتی ہے کہ کسی شے کے ساتھ آگ کا قرب ہو اور وہ نہ جلے۔ یا ایک شے جل کر خاکستر ہوجائے اور آگ اُسکے قریب نہ آئی ہو۔ ہمارے مخالفین کا یہ دعویٰ ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے۔ اور آگ فاعل بالطبع ہے نہ فاعل بالاختیار۔ یعنی آگ کی ذات مقتضی اس امر کی ہے کہ احتراق اُس سے وقوع میں آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ فاعل احتراق اللہ تعالےٰ ہے بواسطہ ملایکہ یا بغیر واسطہ ملایکہ۔ کیونکہ آگ بذات خود بے جان شے ہے۔ ہم اپنے مخالفین سے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ فاعل احتراق آگ ہے؟ اس کا جواب غالباً وہ یہ دیں گے کہ یہ امر مشاہدہ عینی سے ثابت ہے لیکن مشاہدہ سے تو صرف اس قدر ثابت ہے کہ بوقت قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ بوجہ قرب آتش احتراق وقوع میں آتا ہے۔ یعنے یہ ثابت نہیں کہ آگ کا قرب علت احتراق ہے۔ علےٰ ہذالقیاس کسی کو اختلاف نہیں کہ نطفہ حیوان میں روح اور قوت مدرکہ اور حرکت پیدا کرنے کا فاعل اللہ تعالےٰ ہے۔ باپ فاعل حیات و بینائی وشنوائی و دیگر قوے مدرکہ کا نہیں سمجھا جاتا۔

نہیں پاتا - بلکہ اُس سے اُس کا خالق خود کام لیتا ہے - چاند - سورج اور تارے اور ہر شئے کی نیچر سب اُس کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے -

زیادہ تر توضیح کے لئے ہم ایک اَور مثال لکھتے ہیں - اگر ایک ایسا مادر زاد اندھا پایا جاوے کہ اُس کی آنکھ میں جالا ہو اور اُس نے کبھی یہ نہ سنا ہو کہ رات اور دن میں کیا فرق ہوتا ہے - اور اچانک دن کے وقت اُس کی آنکھ سے جالا دور ہو جاوے تو وہ ضرور یہ سمجھے گا کہ جو کچھ اُس کو نظر آرہا ہے اُس کا حاصل آنکھ کا کھل جانا ہے - اور وہ ساتھ ہی یہ بھی سمجھے گا کہ جب تک اُس کی آنکھ صحیح و سالم اور کھلی رہے گی - اور اُس کے سامنے کوئی اوٹ نہ ہوگی - اور شے متقابلہ رنگ دار ہوگی تو ضرور ہے کہ وہ رنگ اُس کو نظر آئے - اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آسکتا کہ جب یہ سب شرایط موجود ہوں تو وہ شے پھر کیوں نہ نظر آئے - لیکن جب سورج غروب ہوگا اور رات تاریک ہوگی تو اُس کو معلوم ہوگا کہ اشیا کا نظر آنا بوجہ نور آفتاب کے تھا - پس ہمارے مخالفین کو یہ کس طرح معلوم ہے کہ مبادی وجود میں ایسے اسباب و علل موجود نہیں ہیں جن کے اجتماع سے یہ حوادث پیدا ہوتے ہیں؟ لیکن چونکہ یہ اسباب و علل ہمیشہ قائم رہتے ہیں اس لئے ان کا ہونا ہمکو محسوس نہیں ہوتا - الّا اگر وہ کبھی معدوم یا غایب ہوجائیں تو ہم کو ضرور فرق معلوم ہوگا اور ہم سمجھیں گے کہ جو کچھ ہم کو مشاہدہ سے معلوم ہوا تھا اُس کے علاوہ اَور بھی سبب تھا +

مگر ایک اَور فرقہ حکماء اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ حوادث مبادی وجود سے پیدا ہوتے ہیں - مگر مختلف صورتوں کے قبول کرنے کی استعداد اسباب متعارفہ

نظیر حاشیہ

بیچہر سے کوئی فعل خود بخود بذاتہٖ صادر نہیں ہوتا ✤

۴۔ الٰہیات	۴۔ الٰہیات - اس باب میں فلاسفہ نے زیادہ غلطیاں کھائی

ہیں پیدا ہوتی ہے - لیکن یہ حکما کہتے ہیں کہ ان مبادی سے جو اشیاء صادر ہوتی ہیں اُن کا صدور بھی اختیاری طور پر نہیں بلکہ لازمی وطبعی طور پر ہوتا ہے - اسکا ہم دو طرح پر جواب دیتے ہیں - اوّل ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ مبادی سے یہ افعال اختیاری طور پر صادر نہیں ہوتے - اور اللہ تعالیٰ کے افعال ارادی نہیں ہیں - لیکن یہاں ایک سخت اعتراض واقع ہوتا ہے - یعنے اگر اس امر سے انکار کیا جائے کہ سبب اور مسبب میں کوئی لزوم نہیں ہے - اور اُن کا باہم وقوع میں آنا محض ارادہ صانع پر منحصر ہے - اور ارادہ صانع کا کسی قسم کا تعین نہیں تو یہ بھی باور کرنا جائز ہوگا کہ شاید ہمارے روبرو خوفناک درندے موجود ہوں - یا آگ مشتعل ہو رہی ہو - یا دشمن مسلح قتل کے لئے مستعد کھڑے ہوں - اور یہ چیزیں ہمکو نظر نہ آتی ہوں - غرض سبب اور مسبب کے درمیان لزوم کا انکار کرنے سے کل واجبات ضروریہ پر سے ہمارا اعتبار اُٹھ جاوے گا ✤ [illegible]

اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ اگر ہم یہ کہتے کہ امور ممکن الوقوع کے عدم وجود کا علم انسان میں پیدا نہیں ہوسکتا - تو بے شک ہم پر اس قسم کے الزامات لگ سکتے تھے - لیکن ہم ان امور میں جو پیش کئے گئے ہیں کبھی تردد نہیں کرتے - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ وہ اُن ممکنات کو کبھی وقوع میں نہیں لایا ہے - ہمارا یہ دعوےٰ نہیں کہ یہ امور واجب ہیں بلکہ ہم بھی اُن کو ممکن قرار دیتے ہیں - یعنے جائز ہے کہ وہ وقوع میں آئیں

ہیں۔منطق میں جن براہین کو اُنھوں نے بطور شرط قرار دیا تھا اُن کا

یاد آئیں۔ لیکن چونکہ علی التواتر ہم ان کا وقوع ایک خاص وضع پر دیکھتے آئے ہیں اس لئے زمانہ آیندہ میں بھی اُن کا وقوع اُسی وضع خاص پر قائم رہنا ہمارے ذہنوں میں ایسا جم گیا ہے کہ وہ خیال ذہن سے ہرگز مرتفع نہیں ہوسکتا۔ممکن ہے کہ ایک شخص کسی طریق سے معلوم کرلے کہ فلاں شخص کل کو سفر سے واپس نہیں آنے کا۔ حالانکہ اُس کا آنا ممکن الوقوع ہے۔ لیکن اُس کو اُس ممکن الوقوع کے عدم وقوع کا یقین حاصل ہے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی شے اللہ کے نزدیک ممکن ہو۔لیکن اس کے علم میں یہ بات ہو کہ باوجود اس امکان کے وہ اُس کو کبھی وقوع میں نہیں لانے کا۔ اور وہ ہم میں بھی یہ علم پیدا کردے کہ وہ شے ہرگز وقوع میں نہیں آئیگی ٭

اعتراض مذکورہ بالا سے بچنے کا ایک اَور طریق بھی نکل سکتا ہے۔ہم تسلیم کرتے ہیں۔کہ ضرور آگ میں ایک صفت ہے جو مقتضی صدور احتراق ہے اور جبتک اُس میں وہ صفت موجود ہے ممکن نہیں کہ اُس سے فعل احتراق صادر نہ ہو لیکن اس میں کیا اشکال ہے کہ کوئی شخص آگ میں ڈالا جائے مگر اللہ تعالے آگ کو ظاہرا اصلی صورت پر قائم رکھکر اُس کی صفت اصلی یا اُس شخص کی صفت میں تغیر پیدا کرکے اُس شخص کو احتراق سے محفوظ رکھے ٭ چنانچہ بعض ادویہ کے استعمال سے آدمی آگ کی سوزش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ انتہی ملخصاً ٭

امام صاحب کی اوپر کی تقریر سے نتایج مفصلہ ذیل حاصل ہوتے ہیں ٭

(۱) فاعل احتراق اللہ تعالیٰ ہے ٭

ایضا اس باب میں اُن سے نہ ہوسکا - اسی واسطے اُن میں اِن مباحث

(۲) فعل احتراق ارادہ الٰہی سے علے سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے ✣

(۳) ممکن ہے کہ عالم میں نفی علل و اسباب موجود ہوں اور اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہو ✣

(۴) بہت سے امور ممکن الوقوع کو اللہ تعالیٰ وقوع میں نہیں لاتا - اور اس عادت الٰہی کے موافق انسان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے امور ممکن الوقوع کے عدم وجود کا علم راسخ کر دیا ہے اور وہ علم ذہن سے منفک نہیں ہوسکتا ✣

(۵) سبب کی صفت موثرہ میں تغیر کر دینے سے سبب اور مسبب میں افتراق ممکن ہے ✣

اقول - علم طبعی و دیگر علوم شہودیہ سے جو زمانہ حال میں اعلےٰ درجہ کی تحقیق پر پہونچ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات ارضی و سماوی کا انتظام نہایت مضبوط انتہا اور مستحکم قوانین سے کر رکھا ہے - اور ہر شے کا ظہور اُس نے اپنی بے حکمت سے ایک وضع خاص پر مقرر کیا ہے - انسان کی طاقت نہیں کہ اُس کی حکمت کی کُنہ معلوم کرسکے - انسان کی عقل کی غایت رسائی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ظہور حوادث کے جو اوضاع خاص مقرر کی ہیں اُن میں سے چند اوضاع معلوم کرلے - اور اُس صانع بیچگون کی قدرت کاملہ نے جو مناسبتیں ملحوظ رکھی ہیں - اُن کو دریافت کرکے اپنی ناچیز عقل کے عجز و قصور کا اعتراف کرے - خالق کائنات نے مختلف حصہ عالم یعنے جمادات و نباتات و حیوانات اور کائنات جو میں باہم

میں بہت اختلاف ہوگیا - حقیقت میں ارسطو نے مذہب فلاسفہ کو

ایسی مناسبتیں رکھی ہیں جس سے انسان معلوم کرسکے کہ اس کائنات کا خالق ایک خدا وحدہ لاشریک ہے - پھر جن اوضاع پر اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو خلق کیا ہے اور جو جو مناسبتیں باہم اُن میں رکھی ہیں اُن کو ایسا مستحکم بنایا کہ جبتک نظام عالم قائم ہے اُن میں تغیر ممکن نہیں ہے - اور اِدھر انسان کے ذہن میں اپنی قدرت سے اُن کے غیر متغیر ہونے کا یقین فطرتاً پیدا کر دیا ہے تاکہ اُس ارحمُ الرّاحمین کی مخلوق اُن مناسبات سے فایدہ تمام اُٹھاوے - اور خدا کی نعمت کی شکر گذار ہو۔ ان اوضاع خاص کو جن پر اشیاء خلق کی گئی ہیں اور اُن کے باہمی تعلقات کو قوانین قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے - قوانین قدرت کا یقین دو اصول فطری پر مبنی ہے۔ اصول اوّل یہ ہے کہ ہر نئی شے کے لئے کوئی نہ کوئی علت ہونی ضرور ہے - اصول دوّم یہ ہے کہ اگر کسی شرط یا شرایط کے جمع ہونے یا کسی مانع یا موانع کے رفع ہونے سے کسی وقت کوئی واقعہ ظہور میں آئے تو اگر وہی شرط یا شرایط پھر کسی وقت جمع ہوں گی یا وہی مانع یا موانع رفع ہوں گے تو وہی واقعہ پھر ظہور میں آوے گا - یعنے حالات مشابہ میں مشابہ نتیجہ پیدا ہوگا - یہ ہردو اصول انسان کی سرشت میں داخل ہیں - گویا روح انسانی ان اصول کے علم کو اپنے ہمراہ لیکر آتی ہے - اور اکتساب کو اُس میں دخل نہیں ہوتا - مگر یاد رہے کہ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ قوانین قدرت بذریعہ اکتساب حاصل نہیں کئے جاتے - بلکہ قوانین قدرت کے دریافت کرنے کا بجز تجربہ و استقراء یعنے اکتساب کے اَور کوئی طریقہ نہیں ہے - ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی حالات خاص میں ایک واقعہ کا

مذہب اسلام کے بہت قریب پہونچا دیا ہے جیسا کہ **فاریابی** و

وقوع میں آتا دیکھکر پھر ویسے ہی حالت میں اُس واقعہ کے وقوع کا منتظر و متوقع
رہنا محض فطری امر ہے - کیونکہ جس زمانہ سے انسان سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوتا
ہے وہ اس سے پہلے بھی اپنے آپ میں اس یقین کو موجود پاتا ہے ننھے بچہ
کو دیکھو کہ اگر وہ آگ کی چنگاری سے ایک مرتبہ جل جائے تو وہ دوسری مرتبہ
چنگاری سے فوراً ڈریگا - یا اگر اُس کو ایک شخص سے کسی قسم کی تکلیف پہونچی
ہے تو وہ ہمیشہ اُس شخص سے خایف رہے گا - ہرایک شے کی علت کی جستجو
میں رہنے اور یکساں حالات میں ایک ہی علت سے ایک ہی قسم کے معلول کے
متوقع رہنے کا خیال ہر ملک اور ہر زمانہ کے انسان میں پایا جاتا ہے - مختلف قسم
کے اوہام مثلاً نیک و بد شگون - یا سعد و نحس اوقات - و تعبیرات خواب وغیرہ خیالات
باطلہ کے اصل بھی عموماً یہی اصول ہیں - کیونکہ جب دو واقعات مقارن واقع ہوتے
ہیں - تو انسان بالطبع اُن میں تعلق دریافت کیا چاہتا ہے - اور اکثر غلطی سے اُن کی
معیّت اتفاقی کو نسبت علیت پر محمول کر لیتا ہے - لیکن جب انسان اس اصول
فطری پر احتیاط سے کاربند ہوتا ہے تو وہ صحیح قوانین قدرت تک پے لے جاتا ہے
مختلف اشخاص کے تجربوں کا انجام کار متحد ہو جانا - پھر اس جماعت کے تجربہ
متفقہ کا ایک دوسری جماعت کے تجربہ متفقہ سے متحد ہونا - پھر ایک ملک کے مجموعی
تجربہ کا دوسرے ملک کے مجموعی تجربہ کے مطابق پایا جانا اور پھر ایک زمانہ کے
معلومات کا ازمنہ ماضیہ کے معلومات کے عین موافق نکلنا اُن قوانین کی صحت کی
نسبت تیقّن کامل پیدا کر دیتا ہے - پھر جب اُس تجربہ کی بنا پر زمانہ آیندہ کی

ابن سینا نے بیان کیا ہے - لیکن جن مسائل میں اُنھوں

پیشین گوئیاں ہونے لگتی ہیں اور وہ بالکل صحیح نکلتی ہیں - تو اُن قوانین قدرت کے یقینی ہونے کی نسبت کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا۔

بقیہ حاشیہ

ہماری اوپر کی تقریر سے واضح ہوگا کہ اس یقین کی بنیاد کہ قوانین قدرت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا ہے اُن دو اصولوں پر ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے - اس یقین میں اس امر کو کچھ دخل نہیں کہ کسی معلول کی علت اصلی وہ واقعہ ہے جو ہمیشہ اُس معلول کے مقارن وقوع میں آتا ہے - یا اُس کی علت ارادہ الٓہی ہے - یا کوئی اَور نامعلوم علت ہے - پس اب اُسی آگ کی مثال پر غور کرو - اگر ایک حالت میں آگ سے روئی کا جلنا دیکھا گیا ہے تو ویسی ہی حالت میں ویسی ہی رُوئی ضرور جلے گی خواہ فاعل احتراق آگ ہو - خواہ اللہ تعالیٰ بواسطہ ملائکہ یا بلا واسطہ ملائکہ ہو - ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ آگ میں اور احتراق میں فی نفسہ کوئی ایسی صفت موجود ہے کہ اُس کی وجہ سے آگ سے احتراق اور احتراق سے آگ جدا نہیں ہوسکتی - بلکہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو پانی سے احتراق کا کام لیا کرتا - لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں یہ یقین پیدا کرکے کہ فلاں واقعات ممکن الوقوع وقوع میں نہیں آئیں گے خود اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ واقعات نفس الامری کے طریق ظہور کو اُسی وضع خاص پر جاری رکھے - اور جب تک خدا تعالیٰ کو یہ قوانین قدرت قائم رکھنے منظور ہیں تب تک ہمارے ذہنوں میں یہ اذعان بھی قائم رہے گا بے شک خدا تعالیٰ ہر امر ممکن پر قادر ہے - اور اگر وہ چاہے تو ان قوانین قدرت کو توڑ پھوڑ کر اَور قوانین جاری کرے - اور اُن قوانین کے مطابق ہم میں دوسری

نے غلطی کھائی ہے وہ کل بیس[۲۰] مسائل ہیں - ازانجملہ تین

قسم کا اذعان پیدا کردے - فان اللہ علے کل شیء قدیر +

اس اذعان کا وجود خود امام صاحب نے تسلیم کیا ہے اور قوانین قدرت کو قابل تغیر ماننے سے عدم وثوق واجبات ضروریہ کا جو الزام اُن پر عاید ہوتا ہے اُس کے جواب میں اُس اذعان کو پیش کیا ہے - جب امام صاحب نے اس اذعان کو تسلیم کرلیا - اور یہ بھی مان لیا کہ وہ اذعان یا علم ہم سے منفک نہیں ہو سکتا - تو اَب ہمارا یہ سوال ہے کہ آیا یہ علم یا اذعان درحقیقت غلط ہے یا صحیح ؟ اگر صحیح ہے یعنے کوئی نظیر ایسی نہیں مل سکتی جن میں قوانین قدرت میں تخلف ہوا ہو - تو ہمارا مدعا ثابت ہے - اگر وہ اذعان غلط ہے یعنے بعض زمانہ میں ایسے نظایر پاسے جاتے ہیں جن میں وہ قوانین ٹوٹے تو خداوند تعالیٰ کے تمام کارخانۂ قدرت کو معاذ اللہ دھوکے کی ٹٹی ٹھیرانا پڑے گا - سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ - کیا کفالت ہے اس بات کی کہ ہمارے ادراکات بحالت صحت مزاج و سلامت طبع ہمیں دھوکا نہیں دیتے ہیں ؟ کیسی طرح اطمینان ہوسکتا ہے کہ ہماری آنکھیں اپنی بینائی میں او کان شنوائی میں اور زبان ذائقہ میں اور دیگر حواس اپنے اپنے مدرکات میں ہمیں دھوکا نہیں دیتے ؟ معاذ اللہ اللہ کی مثال اُس بقال کی مانند ٹھیرے گی جس کے ایک جھوٹے باٹ سے اُس کے تمام باٹوں پر جھوٹے ہونے کا احتمال ہوتا ہے - پس امام صاحب کے نتیجہ دویم کے باب میں ہم صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں - کہ اگر فعل احتراق حسب قول امام صاحب ارادہ الٰہی سے علی سبیل الاختیار صادر ہوتا ہے تو بھی ہمارا مطلب فوت نہیں ہوتا - کیونکہ ارادہ الٰہی نے علی سبیل الاختیار احتراق

کو ایک وضع خاص پر وقوع میں لانے کا التزام کیا ہوا ہے - یعنے اللہ تعالےٰ کو کسی نے اُس التزام پر مجبور نہیں کیا - بلکہ بوجہ مستجمع جمیع کمالات ہونے کے کسی صفت نقص کا ظہور اُس کی ذات سے ناممکن ہے - اس لئے خُلف وعدہ بھی خواہ وہ قولی ہو یا فعلی جو انسان کے لئے بھی موجب رزالت نفس ہے اُس خالق جل شانہٗ کے شان کبریائی کے کب شایاں ہوسکتا ہے ؛

رہا یہ امر کہ عالم میں خفی علل و اسباب موجود ہیں - سو ایسے علل و اسباب کا موجود ہونا بھی ہمارے مطلب کے منافی نہیں ہے - بلکہ اُس کا موید ہے - کیونکہ اگر اسباب متعارفہ کا لزوم محض اتفاقی ہے - اور وُہی خفی علل و اسباب اصلی علل و اسباب واقعات زیر بحث کے ہیں تو اس صورت میں اُس اتفاقی لزوم کی بجائے اُن خفی علل اور واقعات زیر بحث میں لزوم پایا جائے گا - جس کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسبب اور ایک امر میں جو غلطی سے سبب سمجھا جاتا تھا افتراق ثابت ہوکر اُس کی بجائے مسبب اور اُس کے اصلی سبب میں خود امام صاحب کے قول کے بموجب لزوم ضروری ثابت ہوگیا ؛

سب سے اخیر صورت افتراق سبب و مسبب کی امام صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ سبب میں صفت موثرہ متغیر ہو جائے - یہ آخری آڑ ہے جو امام صاحب نے اُن الزامات کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے ڈھونڈی ہے جو انکار لزوم بین الاسباب والمسببات سے پیدا ہوتے ہیں - یہ جواب گو نہ اعتراف ہے دبی زبان سے اس بات کا کہ سبب اور مسبب کا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا - اصل منشاء اس جواب

ہے - اور شائستہ مسائل میں بدعتی قرار دینا لازم ہے -

کا ہکنز اس کے کچھ نہیں کہ کوئی ایسی صورت خرق عادت کی نکالی جاوے کہ بقول شخصے سانپ مر جائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے - خرق عادت کا وقوع میں آنا بھی مسلم ہو جائے اور رشتہ علیت بھی ٹوٹنے نہ پائے - چنانچہ زمانہ حال میں بھی مثبتین خوارق عادات نے یہ سمجھ کر کہ قانون قدرت یعنے رشتہ علیت نہیں ٹوٹ سکتا - یہی طریقہ امام غزالیؒ صاحب کا سا اختیار کیا ہے - وہ کہتے ہیں کہ خرق عادت میں رشتہ علیت نہیں ٹوٹتا ہے بلکہ سبب یا علت میں نامعلوم طور پر تغیر واقع ہو جاتا ہے - اور غلطی سے معلول کو ظاہری علت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے - حالانکہ وہ ظاہری علت اصلی علت معلول مذکور کی نہیں ہوتی - آگ کی مثال میں وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو آگ میں ڈال دیا جاوے اور بوجہ تغیر صفت موثر وہ شخص نہ جلے تو یہ لازم نہیں آتا کہ رشتہ علیت ٹوٹ گیا - کیونکہ رشتہ علیت یا قانون قدرت کا ٹوٹنا تو اُس صورت میں ٹھیرتا جبکہ آگ اپنی حالت اصلی پر قائم رہتی - اور پھر اُس سے احتراق وقوع میں نہ آتا - لیکن جب تسلیم کر لیا گیا کہ آگ کی صفت موثرہ میں تغیر ہوگیا ہے تو ضرور نہیں کہ احتراق جو اصلی آگ کو لازم تھا وقوع میں آئے - وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ خوارق عادات میں مسبب بے سبب پیدا ہو جاتا ہے - بلکہ درحقیقت سبب ظاہری اصلی حالت پر نہیں رہتا - اس وجہ سے اُس سبب متبدلہ کے مناسب معلول پیدا ہوتا ہے - جس کو غلطی سے قانون قدرت کا ٹوٹنا سمجھ لیا جاتا ہے +

اس توجیہ پر ہمارے دو اعتراض ہیں *

اعتراض اوّل - جس شکل کے حل کرنے کے واسطے یہ توجیہہ گھڑی گئی ہے وہ مشکل اس توجیہہ سے حل نہیں ہوتی - بلکہ صرف ایک قدم پیچھے سرک جاتی ہے - آگ کی صفت کا متغیر ہونا صرف اس نظر سے فرض کیا گیا تھا کہ اس الزام سے بچاؤ ہو کہ آگ کا اپنی حالت اصلی پر رہ کر بلا صدور احتراق رہنا کس طرح ممکن ہے - لیکن آگ کا سلسلہ جو احتراق پر ختم ہوتا ہے بے انتہا علل سے مربوط ہے - اور یہ ممکن نہیں کہ اس زنجیر میں سے کوئی کڑی نکال دیجائے اور تمام سلسلہ درہم برہم نہ ہو جاوے - پس جس طرح امام صاحب کو یہ امر مستبعد معلوم ہوا کہ آگ حالت اصلی پر رہکر بلا صدور احتراق رہے - بعینہ اسی طرح یہ بھی مستبعد معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وہ تمام اسباب جو اصلی صفت آتش کے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں - اور باوجود اس کے وہ اصلی صفت پیدا نہ ہو - اگر یہ کہا جائے کہ اصلی صفت کے اسباب میں بھی تغیر واقع ہوگیا ہوگا تو اسی قسم کا اعتراض اُن اسباب کے علل کی نسبت پیدا ہوگا - اگر اس سلسلہ علل کے کسی مرحلہ پر کسی مسبب کی نسبت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبب محض اپنے ارادہ سے سلسلہ علیت کو توڑکر پیدا کیا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ بجائے اس قدر فضول ہیر پھیر کے ابتداءً ہی صاف صاف کہا جائے کہ آگ حالت اصلی پر تھی - مگر ارادہ الٰہی یوں مقتضی ہوا کہ اُس سے احتراق کا صدور نہ ہو *

تصنیف کی ہے +

اعتراض دوم - اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ سبب کی صفت موثرہ میں تغیر واقع ہوگیا ہے تو پھر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سبب ومسبب میں افتراق وقوع میں آیا - کیونکہ جب صفت موثرہ اپنی اصلی حالت پر نہ رہی یعنے سبب سبب نہ رہا تو اُس کے اصلی مسبب کے وقوع کی کسطرح توقع ہوسکتی ہے؟ البتہ اس سبب متبدلہ موجودہ سے جو مسبب پیدا ہونا چاہیئے وہ مسبب ضرور پیدا ہوگا - پس مسبب اور اصلی سبب میں بہرحال لزوم قائم رہا +

امام صاحب نے اس مسئلہ پر نہایت نامکمل بحث کی ہے - اس کی مکمل تحقیق کے لئے ان دو سوالات کا جواب دینا نہایت ضروری تھا +

(۱) سبب ومسبب کی بحث مسئلہ فلسفی ہے - اس کا دین سے کیا تعلق ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس مسئلہ پر ثبوت خوارق عادات منحصر ہے تو اوّل یہ طے ہونا چاہیئے - کہ آیا خرق عادت دلیل نبوت ہوسکتا ہے - اگر اس تحقیق کا یہ نتیجہ ہو کہ خرق عادت دلیل ثبوت نبوت نہیں ہوسکتا - تو یہ تمام بحث فضول ٹھیرے گی +

(۲) اگر سبب ومسبب میں افتراق وقوع میں آتا ہے تو کیا یہ وقوع افتراق بیاپابندی کسی قانون کلی کے ہوتا ہے؟ اگر یہ صورت ہے یعنے یہ افتراق بپابندی قانون کلی کے وقوع میں آتا ہے اور کوئی وجہ تخصیص شخص دون شخص کی نہیں ہے - اور اُس قانون کلی کے مطابق نبی اور غیر نبی - مومن اور کافر سب سے علی التساوی ایسا وقوع میں آنا ممکن ہے - تب اس مسئلہ پر بطور

جزو مسائل اسلامی بحث کرنا عبث ہے +

امام صاحب نے ان ضروری ابحاث کو بالکل ترک کیا ہے۔ اور بلا ثبوت ضرورت تحقیق مسئلہ مذکور اس فضول مسئلہ پر ناکام بحث کی ہے۔اس مقام پر ہم اس سے زیادہ لکھنے کی گنجایش نہیں پاتے ہیں + (مترجم)

[۱] یہ مسائل ثلثہ نہایت ضروری و اہم مسائل ہیں۔ امام صاحب نے ان کو یہاں نہایت مختصر طور پر بیان کیا ہے ۔ہم کسی قدر تشریح کے ساتھ اس امر کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔کہ آیا ان مسائل کے قائلین کی تکفیر علی الاطلاق ہر حالت میں واجب ہے یا اُس حکم میں کسی قسم کی قید یا تخصیص بھی ضروری ہے +

مسئلہ اولیٰ۔مرنے کے بعد ہم پر کیا گذرے گی ۔ نہایت عظیم الشان سوال ہے ۔لیکن اس کا جواب عقل کی رسائی اور خیال کی بلند پروازی سے باہر ہے ۔ جس قدر اُس کے سُلجھانے کی کوشش کرو اُسی قدر اَور اُلجھن پیدا ہوتی ہے ۔مرنے سے پہلے اس معمّا کا حلّ ہونا ناممکن ہے ۔بڑے بڑے حکماء نے ان بھیدوں کے معلوم کرنے میں عُمریں کھوئیں ۔ اور برسوں خاک چھانی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ؎

حال عدم نہ کچھ کُھلا گُذری ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

پس ایسے مسئلہ میں لب کشائی کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے ۔مگر میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ اُن مسلمان بھائیوں کی نسبت جو خدا پر اور رسُول پر اور

جمیع اہل اسلام کے مخالف ہیں - ازانجملہ اُن کا یہ قول ہے کہ

ماجاء بہ پہ ایمان لاتے ہیں جزا و سزا کے قائل ہیں لیکن اُس کے بعض کیفیات
میں مختلف رائے رکھتے ہیں کافر کا لفظ استعمال ہونے دوں - میری روح اس
خیال سے کانپتی ہے - پس یہ چند سطور ناچیز کوشش ہے اس امر کے اظہار کی کہ
جن اہل قبلہ کو بعض علماء دین کے سخت فتووں نے خدا کی رحمت سے مایوس کردیا
ہے - اور قریب اس کے پہونچا دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا بھی انکار کریں -
اُن کو جب تک کہ وہ اللہ اور رسول اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہیں امت رحمۃ
للعالمین کہلانے کا حق حاصل ہے +

زمانہ حال کی علمی تحقیقاتوں سے روح کی حقیقت کی نسبت کچھ زیادہ انکشاف
نہیں ہوا - الّا جسم کے بعض ایسے خواص جدید کے دریافت ہونے سے جن پر قدیم
محققین کی تعریف جسم کلّی طور پر صادق نہیں آسکتی بعض حکماء زمانہ حال کو یہ شبہ
پیدا ہوا ہے کہ روح بھی کوئی مادی شے ہے اور اس سے دہریوں کو مذہب پر حملہ
کرنے کی بہت جُرأت ہوئی ہے - فخر الاسلام **سید احمد خاں** صاحب نے
تفسیر القرآن میں اس شُبہ کی نسبت اشارہ فرمایا ہے - چنانچہ اُنھوں نے جو کچھ
تحریر فرمایا ہے ہم اُس کو بجنسہ نقل کرتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ جبکہ ہم روح کو
ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اُس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی
ہے - مگر جبکہ ہم کو اُس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی
کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے - دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو
باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور اُن کے مادی یا غیر مادی ہونے کی

ا۔ انکار حشر اجساد	قیامت کو حشر اجساد نہیں ہوگا ۔ اور محل ثواب و عذاب

کی نسبت فیصلہ نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً ہم ایک شیشہ کی ہبیہ کے ذریعہ سے بجلی نکالتے ہیں ۔ اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔ اور ٹھوس اجسام میں سرایت کر جاتی ہے ۔ انسان کے بدن سے گذر جاتی ہے ۔ بعض ترکیبوں سے ایک بوتل میں یا انسان کے بدن میں محبوس ہو جاتی ہے ۔ بعض ٹھوس اجسام ایسے ہیں جن میں نفوذ نہیں کر سکتی ۔ مگر اُس کی ماہیت کا اور یہ کہ وہ شے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ نہیں ہو سکتا ۔ طرفین کی دلیلیں شُبہ سے خالی نہیں ۔ یہی حال روح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہے ۔ لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادہ کی ہو یا ہم اُس کو کسی قسم کی مادی تسلیم کر لیں تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہیں آتی ۔ البتہ اس قدر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا ۔ کہ جن اقسام مادہ سے ہم واقف ہیں اُس کا مادہ اُن تمام کے مادوں سے نہیں ہے ۔ کیونکہ اُن سے منفرداً یا مجموعاً اُن افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال کہ روح سے صادر ہوتے ہیں "۔

اگر روح حقیقت میں کوئی شے مادی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ من مات فقد قامت قیامتہ ۔ تو حشر اجساد کے یقین کرنے میں کوئی بھی دقت باقی نہیں رہتی ۔ الا اگر یہ صحیح ہو ۔ کہ روح غیر مادی ہے ۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ جو آیات در باب وقوع حشر وارد ہوئی ہیں اُن سے صرف یہی مقصود نہ تھا کہ مشرکین عرب کے اُس عقیدہ کی جس کے رو سے وہ موت کے بعد جزا و سزا کا ہونا مستبعد سمجھتے تھے تردید کی جائے ۔ بلکہ اجساد کا دوبارہ اٹھایا جانا ہی بذات خود مقصود و موضوع قرآن مجید تھا ۔ تب البتہ ضرور ہوگا کہ روح کے لئے

فقط ارواح مجردہ ہی ہوں گی۔ اور عذاب و ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی

کسی نہ کسی جسم کا ہونا جس سے وہ متعلق ہو اور مصداق حشر جسدین سکلے ثابت کرنا ضرور ہوگا۔ **شاہ ولی اللہ** صاحب **حجتہ اللہ البالغہ** میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ انسان کے بدن میں خلاصہ اخلاط سے ایک بخار لطیف قلب میں پیدا ہوتا ہے جس سے قوئی حساسہ و محرکہ و مدبرہ غذا کا قیام ہے۔ اُس بخار کے رقیق یا غلیظ یا صاف یا مکدر ہونے سے قوئی کے افعال میں اثر خاص پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی عضو پر ایسی آفت طاری ہوتی ہے جس سے اُس عضو کے مناسب بخار پیدا ہونے میں فساد واقع ہو جائے تو اُس کے افعال میں فتور ظاہر ہوتا ہے۔ اس بخار کی تولید موجب حیات ہے اور اُس کی تحلیل موجب موت ۔

اس بخار کو روح ہوائی اور نسمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ روح جسم انسانی میں اسطرح رہتی ہے جس طرح گلاب کے پھول میں نمی۔ یا کوئلہ میں آگ۔ لیکن یہ روح روح حقیقی نہیں ہے بلکہ یہ روح وہ مادہ ہے جس سے روح حقیقی کو تعلق رہتا ہے۔ چونکہ اخلاط بدن میں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ نسمہ میں بھی جو ان اخلاط سے پیدا ہوتا ہے ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مگر روح حقیقی ان تغیرات سے بالکل محفوظ رہتی ہے۔ اور اُسی سے ذی روح کی ہویت قائم رہتی ہے۔ روح حقیقی کو اولاً نسمہ سے اور ثانیاً بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جب بدن انسان میں استعداد تولید نسمہ باقی نہیں رہتی تو نسمہ کا بدن انسانی سے انفکاک ہو جاتا ہے۔ اسی انفکاک کا نام موت ہے۔ لیکن موت سے روح قدسی کا نسمہ سے انفکاک نہیں ہوتا۔ بلکہ

یہ تو اُنھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب و ثواب روحانی ہوں گے۔ لیکن

تفسیر حقانی

انسان کی موت روح و نسمہ کے لئے نشاۃ ثانی ہوتا ہے۔ انتہی ملخصاً +

شاہ صاحب کی اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ انسان میں ظاہری گوشت پوست کے سوا ایک اَور جسم لطیف بھی ہے جو واسطہ ہے مابین روح حقیقی اور کالبد خاکی کے۔ اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے۔ اور روح اُس سے متعلق رہتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت

فمن قال بان النفس النطقية المخصوصة بالانسان عند الموت ترفض المادة مطلقا فقد خرص۔ نعم لها مادة بالذات وهي النسمة ومادہ بالعرض و هو جسم الارضي۔ فاذا مات الانسان لم يضر نفسه زوال المادة الارضية وبقيت حالته بمادة النسمة

انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔ روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے۔ ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے۔ اور دوسرے سے بالعرض۔ جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے۔ اور جس مادہ سے بالعرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو مادہ خاکی کا زایل ہو جانا اُسے کچھ نقصان نہیں پہونچاتا۔ بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئے رہتی ہے +

فخرالاسلام سید صاحب اس عام قول کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا۔ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک جن اجساد کے حشر کرنے کا اشارہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اُن سے وُہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے

یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہوں گے - اور ایسی باتیں بیان کر کے

ہیں۔ ارواح کا دنیا سے اجسام لطیف کے ساتھ متعلق ہوکر عالم قدس میں پہونچنا ہی اُن کا حشر ہے - سید صاحب کے قول کی تائید میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے موت کے بعد روح انسانی کا دو جسموں سے متعلق ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک جسم کا ذکر ہے - سو وُہی ایک جسم لطیف جو روح اپنے ہمراہ لیکر عالم قدس میں داخل ہوتی ہے اُس کا نشاۃ ثانی ہے - اس کی تائید میں وہ احادیث بھی بیان کی جا سکتی ہیں جو عذاب قبر کے باب میں وارد ہیں - ظاہر ہے کہ یہ خاک کا جسم جس کو کفن میں لپیٹ کر گور میں دفن کرتے ہیں - یا آگ میں جلاتے ہیں عذاب کے لئے نہیں اُٹھایا جاتا - بلکہ روح انسانی پر جو کچھ گذرتا ہے وہ اُسی حالت میں گذرتا ہے جبکہ وہ جسم لطیف سے جس کو ہماری ظاہری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں متعلق ہوتا ہے ✦ (نشاۃ ثانیہ ۱)

آخرت کی نسبت جو الفاظ حشر و بعث و نشات ثانی وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں اُن سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے - کہ مرنے کے بعد از سر نو انسان کا پُتلا بنایا جاتا ہے - اور زندہ کر کے اُٹھایا جاتا ہے - بلکہ اس دنیا میں مرنا ہی عالم قدس میں زندہ ہوکر اُٹھنا ہے - خدا تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے بچہ کے پیدا ہونے پر بھی نشات آخر استعمال فرمایا ہے - حالانکہ قبل از ولادت اُس کی خلقت انسانی جو اُس دنیا میں رہنے کے قابل ہو بہمہ نوع مکمل ہو چکی ہوتی ہے - اور صرف ماں کے پیٹ سے علیحدہ ہونا باقی ہوتا ہے - یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس آیت میں بھی خلقاً آخر سے

> فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ

شریعت سے انکار کیا +

تفسیر حاشیہ

سے قیامت کو اس جسم کا دوبارہ زندہ کرنا مراد ہے - کیونکہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ - پس جس طرح بچّہ کا ماں کے پیٹ سے نکلنا بلحاظ حالت سابقہ خلق و نشات آخر کہا گیا ہے - اسی طرح مادر گیتی کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں داخل ہونا بلحاظ حالت سابقہ بعث و نشاۃ ثانی سے تعبیر کیا گیا ہے - واللہ اعلم بالصواب

اس میں کچھ شُبہ نہیں ہو سکتا - کہ اس مقام پر امام صاحب نے جن لوگوں کو منکرین حشر اجساد اور کافر کہا ہے اُن میں وہ لوگ داخل نہیں ہو سکتے جو اس بات کے قایل ہیں کہ بعد مرنے کے روح ایک جسم لطیف سے جو وہ دنیا میں حاصل کرلیتی ہے متعلق رہے گی - کیونکہ وہ اس الزام کے مورد نہیں بن سکتے کہ محل ثواب و عذاب ارواح مجردہ ہیں +

اب ہم اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں اس زمانہ کے دہریوں کی تحریروں نے حالت بعدالموت کی نسبت طرح طرح کے اوہام ڈال دئیے ہیں آؤ ذرا طرح پر سمجھاتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں امور ہیں - جن میں انسان محض ظن غالب بلکہ بعض اوقات نہایت خفیف ظن پر کاربند ہوتا ہے - اگر کوئی شخص کسی سوراخ میں اُنگلی ڈالنے لگا ہو اور اُس کو یہ کہہ دیا جاوے کہ اس میں ابھی ایک بچھو گھسا ہے یا کوئی شخص کسی تاریک مکان میں داخل ہونا چاہتا ہو اور اُس کو یہ اطلاع دیجائے کہ اُس میں سانپ رہتا ہے - تو وہ ہرگز سوراخ میں اُنگلی نہ ڈالیگا - اور نہ اُس مکان میں گھسنے کی جرأت کرے گا - مگر سوچنا چاہئیے کہ وہ ایسی بات سُنکر

ازانجملہ (مسائل ثلثہ) اُن کا یہ قول ہے	۲۔ باری تعالیٰ عالم بالجزئیات نہیں ہے

فوراً اُس پر کیوں کاربند ہوتا ہے۔ وہ قطعی ثبوت اس امر کا کیوں نہیں حاصل کرتا۔ کہ آیا جو اطلاع اُس کو دی گئی ہے۔ وہ درحقیقت درست ہے؟ یا اگر اُس کو کوئی شہادت ملی ہے۔ تو وہ اُس شہادت پر اُن قواعد منطق استقرائی کو کیوں نہیں جاری کرتا۔ جن سے وہ مذہبی صداقتوں کو کریلا کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شہادت سماعی عمدہ سے عمدہ کیوں نہ ہو صرف یقین عادی پیدا کر سکتی ہے۔ اُس سے یقین قطعی پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جس امر کی نسبت عقل ساکت ہو اور شہادت سماعی سے زیادہ ثبوت نہ مل سکتا ہو۔ تو بالطبع انسان کا رجحان اس امر کی طرف ہوتا ہے کہ اگر اُس امر پر کاربند ہونا یا نہ ہونا اُس کے حق میں کوئی نتیجہ مہتم بالشان پیدا کرے گا۔ تو وہ اس پہلو کو اختیار کرتا ہے جس میں وہ جلب منفعت یا دفع مضرت تصور کرتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الواقع یہ پہلو صحیح خیال کی بناء پر اختیار کیا گیا ہے تو فہوالمراد۔ اگر وہ پہلو کسی غلط فہمی پر اختیار کیا گیا ہے تو بھی کم از کم اُس کو دل کی چبھن سے جو اُس کو ہر وقت ستائے رکھتی بنجات مل جاتی ہے۔ اور کوئی ضرر عائد نہیں ہوتا۔ نہ عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت ٹھہرتا ہے۔ کہ تو نے اپنے نفس کے فائدہ کے لئے یا خطرہ سے بچنے کے لئے اس قدر حد سے زیادہ کیوں احتیاط کی؟ پس اے عزیز جب تو اپنی اُنگلی کی تکلیف کے خوف سے اور اس بدن کو جو چند روز میں خاک میں ملنے والا ہے۔ اور کیڑوں مکوڑوں کا طعمہ ہونے والا ہے۔ بچانے کی غرض سے اس قدر احتیاط کرتا ہے۔ کہ تمام قوانین عقلی کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور سب سے احفظ پہلو اختیار کر لیتا ہے۔ تو عذاب حشر کے باب میں

کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے - جزئیات کا علم نہیں ہے - یہ بھی کفر

تجھ کو کس چیز نے ایسا دلیر کر دیا ہے - کہ تو نہایت سہل انگاری سے خطرناک پہلو اختیار کرتا ہے اور حالت سکرات الموت سے نہیں ڈرتا - اے عزیز مت بھول اُس کٹھن گھڑی کو جب ایک ایک رگ سے جان کھنچی جائے گی - ایڑیاں اور پنڈلیاں اینٹھتی ہوں گی - گلے میں جان اٹک رہی ہوگی - چہرہ کا رنگ مٹیالا ہوگیا ہوگا تجھ میں شدت تکلیف کے بیان کرنے کی بھی طاقت نہ ہوگی -

نابدہ کہ چہ سختی رسد بجان کسے +
کہ از دانشش بروں مے کنند دندانے +
قیاس کن کہ چہ حالت بود دراں ساعت +
کہ از وجود عزیزش بدر رود جانے +

پیارے بہن بھائی پاس کھڑے ہوں گے - اُن کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری ہوں گی - وہ چاہیں گے - کہ تو مُنہ سے کچھ بولے - اور وہ تیرے الوداعی الفاظ سُنیں - مگر تُو بول نہ سکیگا - اور بجز غرغرہ حلقوم تیرے مُنہ سے کوئی آواز نہ نکل سکیگی - اس بے بسی کی حالت کو دیکھکر معالج بھی جواب دیدیں گے - جھاڑنے پھُونکنے والے بھی سب چھوڑکر علیحدہ ہو جائیں گے - اور عالم قدس سے پکارنے والا پکاریگا مَنْ رَاقٍ ۞ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ - اے عزیز جان لے کہ یہ حالت دہلیز ہے اُن واقعات کی جو تجھ پر دوسرے عالم میں گذرنے والے ہیں - اُس وقت بجز حسرت و ندامت اور رونے اور دانت پیسنے کے کچھ نہ ہوگا - ڈارون اور ھکسلی اور ٹنڈال جن کی تحریروں نے تجھے گستاخ و بے باک بنایا ہے کوئی مدد نہ دے سکے گا -

صریح ہے - بلکہ حق الامر یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی شے

پس اگر تو دنیا میں دم بھر کے دُکھ سے بچنے کے لئے حد سے زیادہ احتیاطیں کام میں لاتا ہے - اور اونٹے اونٹے اشخاص کی نصیحت پر کاربند ہوتا ہے تو عذاب آخرت سے ایک دم غافل نہیں رہنا چاہئے - اور کوئی ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے جو دوسرے عالم میں باعث خرابی ہو -

نیکی کن اے عزیز و غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

مسئلہ ثانی - جاننا چاہئے - کہ انسان کا جس قدر علم ہے وہ یا زمانہ ماضی سے متعلق ہے - یا زمانہ حال سے - یا زمانہ مستقبل سے - چونکہ زمانہ ہر وقت و ہر آن میں متغیر ہوتا رہتا ہے - یعنے مستقبل حال بن جاتا ہے - اور حال ماضی بن جاتا ہے اس واسطے اُسی طرح ہمارے علم میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے - مثلاً ہم کو عرصہ سے کسوف آفتاب کا جو ۱۷ جون ۱۸۹۰ء کو وقوع میں آیا علم تھا - مگر تغیر زمان کے ساتھ ساتھ ہمارے اس علم میں بھی تغیر واقع ہوتا گیا - قبل از ۱۷ - جون ۱۸۹۰ء ہم کو یہ علم تھا کہ کسوف ہونے والا ہے - ۱۷ - جون کو بوقت کسوف اُس علم کی بجائے ہمارے ذہن میں یہ علم تھا کہ کسوف ہو رہا ہے - اور آج ۲ جولائی ۱۸۹۰ء کو ہمیں یہ علم ہے کہ کسوف ہو چکا ہے - یہ تینوں قسم کا علم ایکدوسرے سے اختلاف رکھتا ہے - یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک علم دوسرے کی جا بجا کام دیسکے - مثلاً جو علم ہم کو آج حاصل ہے کہ کسوف ہو چکا ہے وہ اگر بوقت کسوف ہمارے ذہن میں ہوتا یعنی جس وقت کسوف ہو رہا تھا اُس وقت

[illegible]

یہ علم ہوتا کہ کسوف ہوچکا ہے تو یہ علم نہیں بلکہ جہل ہوتا۔ اسی طرح جب کسوف وقوع میں نہیں آیا تھا اُس وقت اُس کے وقوع کا علم ہوتا تو یہ بھی علم نہ ہوتا بلکہ جہل ہوتا۔ جس طرح زمانہ کے تعاقب سے ہمارے علم میں تغیر واقع ہوتا ہے اُسی طرح تبدیل جہت و تبدیل مکان سے، ہمارے اس علم میں جو متعلق تشخصات جُزئیات مثلاً زید و عمرو و بکر ہوتا ہے تغیر وقوع میں آتا ہے۔ غرضکہ ان تغیرات سے محل تغیرات یعنے ذہن انسانی میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے تغیّر و تبدّل سے منزّہ ہے اس لئے حکماء قائل ہوئے ہیں۔ کہ اُس کا علم تغیر سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر اُس کے علم میں تغیر ہو۔ تو اُس کی ذات محل تغیر ٹھیرے۔ اس لئے یہ ماننا ضرور ہوا کہ اُس کا علم ہر حال و ہر آن میں یکساں رہتا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھا کہ اگر علم میں تغیّرات نہوں اور ہر حالت میں یکساں رہے تو یہ صرف کُلیات کا علم ہوگا نہ جزئیات کا۔ یعنے خدا تعالیٰ کو کلی طور پر کسوف کے ہونے اور زید و بکر کا بحیثیت انسان ہونے کا تو علم ہوگا۔ لیکن کسوف کی ان جزئیات کا کہ اب کسوف ہونے والا ہے۔ اب ہو رہا ہے۔ اب ہوچکا ہے۔ زید اب کھڑا ہے۔ اب بیٹھا ہے۔ اب نماز پڑھتا ہے۔ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کا علم مقتضی تغیر ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کہ جو کوئی باری تعالیٰ کو کلیات کا عالم قرار دیتا ہے۔ وہ حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہ کو جزئیات سے ناواقف و بے خبر جانتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ عالم کلیات کہنے سے اُس کی مراد صرف

۳- عالم قدیم ہے	ازانجملہ فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ عالم قدیم اور ازلی ہے

نفی علم احساسی ہو - اس صورت میں یہ بحث ایک لفظی نزاع رہجاتی ہے - منشار غلطی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو اپنے علم پر قیاس کیا جاتا ہے - اور جو امور انسان اپنے علم کی نسبت ناممکن سمجھتا ہے اُن کو اُس کے علم کی نسبت بھی ناممکن سمجھتا ہے - لیکن انسان کا علم دو ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے - ایک مجرد عقل سے - اور دوسرے حواس سے - ہمارے جتنے علم مجرد عقل سے حاصل ہوتے ہیں وہ کُلّی علم کہلاتے ہیں - اور جو بذریعہ حواس حاصل ہوتے ہیں وہ جزئی کہلاتے ہیں - صرف بذریعہ عقل یا استمداد حواس ہم کسی طرح جزئیات کا علم حاصل نہیں کر سکتے - مگر علم باری تعالیٰ میں اس قسم کی تفریق نہیں ہے - جو علوم ہم کو عقل یا حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اُنکو وہ اپنی ذات سے معلوم کرتا ہے - ہم جو اُس کو سمیع و بصیر کہتے ہیں اُس کے یہ معنی نہیں ہیں - کہ جس طرح ہمارے مدرکات سمع و مدرکات بصر مختلف چیزیں ہیں اسی طرح اُس میں سمع و بصر دو مختلف قوتیں ہیں - نہیں - بلکہ سمیع و بصیر کے یہ معنے ہیں - کہ وہ ہر چیز کو یعنے جن کے جاننے والے کو ہم دنیا میں سمیع کہتے ہیں اور نیز اُن اشیاء کو جن کے جاننے والے کو ہم بصیر کہتے ہیں جانتا ہے - ورنہ اُس کے علم میں کوئی تقسیم اس قسم کی نہیں ہے +

علیٰ ہذا القیاس زمانہ کی تقسیم ماضی و حال و استقبال میں محض انسانی تقسیم ہے - خدا کے نزدیک ماضی و حال و استقبال ازل و ابد سب یکساں ہے - پس جائز ہے کہ ہم اُس کے علم کو اپنے محدود ناچیز جزئی علم سے تمیز کرنے کے لئے علم کلی سے تعبیر کریں - جس کے صرف یہ معنے ہوں گے کہ اُس کے علم پر اطلاق

اہل اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس نے ذرہ بھر

ماضی و حال و استقبال نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ سب جزئیات کو کلی طور پر جانتا ہے۔ لا یعزب عن علمہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض۔ حاصل اس تمام بحث کا یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہر علم کو اصطلاحاً علم کلی کہتے ہیں اور اُس کے لئے لفظ جزئی کا استعمال نہیں کرتے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ باریتعالیٰ کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے۔ اس سے اگر اُن کی مراد وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی تو یہ عقیدہ عین اسلام کے مطابق ہے اور اُس سے اعلےٰ درجہ کی تنزیہہ جناب باری تعالیٰ کی ظاہر ہوتی ہے۔ اور کچھ شک نہیں۔کہ امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اعتقاد پر اطلاق پذیر نہیں ہے ✦ (مترجم)

تفسیر سورۃ فاتحہ

مسئلہ ثالث۔ امام صاحب نے کتاب **التفرقۃ بین الاسلام والزنادقہ** میں مسئلہ قدم عالم کو منجملہ اُن مسائل کے نہیں لکھا جن کے سبب تکفیر واجب ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر ہم کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے ✦

جو لوگ مادہ میں خواص واجبیہ تسلیم کرکے اور اُس کو اپنے وجود میں کسی واجب الوجود کا محتاج نہ پاکر قدم مادہ کے قائل ہوئے ہیں۔ اُن کے کافر ہونے میں تو کچھ کلام نہیں ہوسکتا۔ لیکن سوال اُن لوگوں کی نسبت ہے جو خدا پر بجمیع صفاتہٖ اور رسوؐل پر بجمیع ماجاء بہٖ ایمان لائے ہیں۔ اور خدا کی ذات ہی کو محتاج الیہ و علۃ العلل کل کائنات کا سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ چونکہ خدا تعالےٰ مع اپنی صفات کے جن میں ایک صفت ارادہ بھی ہے علۃ تامہ اس عالم کا ہے اور تخلف علۃ کا معلول سے جائز نہیں ہے۔ اس لئے مادہ بھی قدیم ہے۔ معہذا وہ مادہ کو قدیم

ان مسائل کو تسلیم کیا ہو۔ رہے دیگر مسائل علاوہ مسائل مذکورہ بالا
کے مثلاً اُن کا نفی صفات کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی
ذات سے علیم ہے نہ ایسے علم کے ذریعہ سے جو زاید علی الذات ہو۔
یا اسی قسم کا اَوْر علم ہے۔ پس اس باب میں مذہب فلاسفہ مذہب
معتزلہ کے قریب قریب ہے۔ اور معتزلیوں کو ایسے اقوال کے باعث

دیگر مسائل میں تکفیر واجب نہیں +

کافر کہنا واجب نہیں ہے۔ اس کا ذکر ہم نے ایک
علیحدہ کتاب "التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ" میں
کیا ہے۔ جس سے واضح ہوگا کہ جو اپنی رائے سے مخالفت کرنیوالے

بقیہ حاشیہ

بالذات نہیں کہتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک قدیم بالذات صرف باری تعالیٰ ہے۔ اور قدم
عالم اُس کے قدم حقیقی کا صرف ایک پرتوہ یا عکس ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ
جس طرح قدم صفات کے ماننے سے تعدد وجبار یا قدما یا خدا کا مجبور و مضطر ہونا
ثابت نہیں ہوتا اسی طرح قدم مادہ کے تسلیم کرنیسے بھی یہ امور لازم نہیں آتے +

ہم نہیں سمجھتے کہ امام صاحب کا حکم تکفیر ایسے اشخاص کے متعلق ہو
سکتا ہے +

مشکل یہ ہے کہ کسی قول کی بناء پر حکم تکفیر دیا جاتا ہے۔ مگر اُس قول کا وہ مطلب
قرار دیا جاتا ہے جو ہرگز اُس قول کے قائل کا نہیں ہوتا +

بوجوہات مذکورہ بالا ہماری رائے میں مسائل ثلثہ ایسے مسائل نہیں ہیں۔ کہ
ہر حال میں اُن کے قائلین کی علی الاطلاق تکفیر واجب ہو۔ بلکہ اُن میں وہ تخصیصات
قابل لحاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں + (مترجم)

کی تکفیر پر جلدی کرتا ہے - اُس کی رائے فاسد ہے[1] +

[1] امام صاحب کتاب **التفرقہ بین الاسلام والزندقہ** میں تحریر فرماتے ہیں کہ - اہل اسلام کا کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جو تاویل کا محتاج نہ ہوا ہو - سب سے تاویل سے پرہیز کرنے والے **امام احمد بن حنبل** ہیں اور اقسام تاویل سے سب سے بعید تاویل جس سے کلام اپنی حقیقت سے خارج ہوکر صرف مجاز و استعارہ ہی رہ جاتا ہے وہ وجود عقلی و شبہی سے تاویل کرنا ہے - مگر **امام احمد بن حنبل** ایسی بعید تاویل کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں - ہر فرقہ گو کہ وہ کیسا ہی ظواہر آیات کا پابند رہا ہو اُس کو بھی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے - صرف وہی شخص جو حد سے زیادہ جاہل اور غبی ہو تاویل کرنا نہ چاہے گا +

تاویل کے پانچ درجہ ہیں - ظاہری معنے ہر ایک چیز کے جس کی خبر دی گئی ہے وجود ذاتی ماننا ہے - جبکہ اُس کا وجود ذاتی ماننا متعذر ہو تو وجود حسی تسلیم کرنا ہے - اور جبکہ اُس کا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو - تو وجود خیالی اور عقلی کا تسلیم کرنا ہے - اگر اُس کا تسلیم کرنا بھی متعذر ہو - تو وجود شبہی اور مجازی کا تسلیم کرنا ہے - ان پانچ مدارج تاویل پر اہل اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں - اور اُن میں سے کوئی سی تاویل کرنی تکذیب رسول نہیں ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اِن تاویلوں کا جائز ہونا اِس بات پر موقوف ہے - کہ بذریعہ دلیل کے اُن کے ظاہری معنوں کا محال ہونا ثابت ہو +

ان باتوں کے لئے دو مقام ہیں - ایک تو عوام خلق کا درجہ و مقام ہے اُن کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ جو کچھ ہے اُس کو مانیں اور جو ظاہری معنے لفظ

۵۔ سیاست مدن

۵۔ سیاست مدن ۔ اس علم میں جو کچھ فلاسفہ نے کلام کیا ہے ۔ اُس کا تعلق تدبیر و اصلاح امور دینی و امور سلطنت سے ہے اور یہ سب کچھ فلاسفہ نے کتب مقدسہ سے لیا ہے جو انبیأ پر نازل ہوئیں یا اولیاء سلف کی نصائح ماثورہ سے نقل کیا ہے ٭

کے ہیں اُس کے تغیر و تبدل سے قطعاً باز رہیں ۔ اور باب سوالات کو بالکل بند کردیں ٭

دوسرا اہل تحقیق کا مقام ۔ ہے ۔ جب اُن کے عقاید ماثورہ اور مرویہ ڈگمگانے لگیں تو اُن کو بقدر ضرورت بحث کرنی اور برہان قاطع کے سبب ظاہری معنوں کو ترک کردینا لایق ہے ۔ لیکن ایک دوسرے کی تکفیر اس وجہ پر کہ جس امر کو اُسنے برہان قاطع سمجھکر ظاہری معنوں کو ترک کیا ہے اُس کے سمجھنے مین اُس سے غلطی کی ہے نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ یہ بات آسان نہیں ہے ۔ برہان کیسی ہی ہو ۔ اور انصاف ہی سے لوگ اُس پر غور کریں ۔ مگر تاہم اختلاف ہونا ناممکن نہیں ہے ٭

جن باتوں میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے ۔ وہ دو قسم ہیں ۔ ایک تو اصول عقاید سے متعلق ہیں ۔ اور دوسرے فروع سے ۔ اصول ایمان کے تین ہیں (۱) ایمان باللہ ۔ (۲) وَ بِرَسُوْلِہٖ ۔ (۳) وَ بِالْیَوْمِ الْآخِرِ ۔ ان کے سوا سب فروع ہیں ٭

بعض آدمی بغیر برہان کے اپنے گمان و وہم کے غلبہ سے تاویل کر بیٹھتے ہیں ۔ اگر وہ تاویل اصول عقاید سے متعلق نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے ٭

۴۔ علم اخلاق

۴۔ علم اخلاق۔ اس علم میں حاصل کلام فلاسفہ کا یہ ہے کہ اُنھوں نے صفات و اخلاق نفس کا حصر کیا ہے اور اُنکی اجناس و انواع اور اُن کے معالجات و مجاہدات کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ اِس

اس علم کا ماخذ کلام صوفیہ ہے

علم کو فلاسفہ نے کلام صوفیہ سے اخذ کیا ہے جو لذات دنیاوی سے رُوگردانی کرکے یاد الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہنے والے۔ ہوا و حرص سے لڑنے والے۔ اور راہِ خدا پر چلنے والے ہیں۔ صوفیہ کرام کو مجاہدات کرتے کرتے بعض اخلاق نفس اور اُن کے عیوب اور اُنکے آفات اعمال کا انکشاف ہوا ہے۔ اور اُنھوں نے اس کا بیان کیا ہے فلاسفہ نے ان امور کو اُن سے اخذ کرکے اپنے کلام میں ملا لیا۔ تاکہ اُس کے وسیلہ سے اور اُس کی بدولت زیب و زینت پاکر اُنکے خیالات باطل کی ترویج ہو ۞

ان فلاسفہ کے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں خدا پرست بزرگ بھی ہوتے رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں رکھا ہے۔ یہ لوگ زمین کی اوتاد ہیں۔ اور اُن کی برکت سے اہل زمین پر رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ اُن کی برکت سے ہی اہل زمین پر بارش ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے ہی رزق ملتا ہے۔ اور اصحاب کہف ایسے ہی لوگوں میں تھے ۞

زمانہ سلف میں اِن فلاسفہ کا مذہب وُہی تھا جس پر قرآن مجید

امتزاج کلام صوفیہ و فلاسفہ سے دو آفتیں پیدا ہوئیں

ناطق ہے - لیکن چونکہ اُنھوں نے کلام نبوت اور کلام صوفیہ کو اپنی کتابوں میں ملالیا - اس سے دو آفتیں پیدا ہوئیں - یعنی ایک آفت تو اُس شخص کے حق میں ہیں سنے مسائل فلسفہ کو قبول کیا - اور دوسری اُس شخص کے حق میں جینے مسائل مذکورہ کی تردید کی - جو آفت کہ تردید کرنے والوں کے حق میں پیدا

آفت اوّل - بر قول فلاسفہ بلا امتیاز حق و باطل انکار کیا گیا

ہوئی - وہ ایک آفت عظیم تھی - کیونکہ ضعیف العقل لوگوں میں سے ایک گروہ نے یہ گمان کیا کہ چونکہ یہ کلام اُن کی کتابوں میں مندرج اور اُن کی جھوٹی باتوں میں مخلوط ہے - اس لئے لازم ہے - کہ اُس سے علیحدگی اختیار کیجاوے اور اُس کا ذکر تک زبان پر نہیں آنا چاہئے - بلکہ اُس کے ذکر والے پر عمل منکر کے ارتکاب کا الزام لگایا جاوے - اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے پہلے یہ کلام نہ سنا تھا - اور سنا تو سب سے اوّل انھیں فلاسفہ سے سنا - اس لئے اپنے ضُعف عقل سے اُنھوں نے یہ بھی سمجھا - کہ چونکہ اس کلام کا قائل جھوٹا ہے اس لئے یہ کلام بھی باطل ہے - اس کی ایسی مثال ہے - کہ ایک شخص کسی نصرانی سے سنتا ہے کہ لا اِلٰه اِلّا اللّٰهُ عِیْسٰی رَسُوْلُ اللّٰه اور اس قول کو بُرا سمجھتا ہے - اور کہتا ہے کہ یہ تو نصرانی کا قول ہے - اُس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ ذرا ٹھیرے اور تامل کرے کہ نصرانی جو کافر ہے تو کیا بوجہ اس قول کے ہے - یا بلحاظ اس بات کے کہ وہ نبوت محمدؐ صلعم سے انکار

کرتا ہے۔ اگر بجز اس انکار کے اُس کے کفر کی اَور کوئی وجہ نہیں ہے تو یہ ہرگز نہیں چاہئے کہ اُن امور میں جو حقیقت میں موجب کفر نصرانی نہیں ہیں مثلاً کسی ایسے امر میں جو فی نفسہ حق ہے گو اُس کو وہ نصرانی بھی حق جانتا ہو اُس کی مخالفت کی جاوے۔ یہ عادت ضعیف العقل لوگوں کی ہے جو شناخت حق کا مدار لوگوں پر رکھتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ حق کے ذریعہ سے لوگوں کو شناخت کریں لیکن عاقل آدمی سرتاج عقلاء حضرت علی کرم اللہ وجہ کی پیروی کرتے ہیں۔ جنھوں نے فرمایا۔ کہ شناخت حق بذریعہ شناخت آدمی مت کرو۔ بلکہ اوّل شناخت حق حاصل کرو۔ پھر اہل الحق کی خود ہی شناخت ہو جاوے گی۔ پس صاحب عقل معرفت حق حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر نفس قول پر نظر کرتے ہیں۔ اگر وہ حق ہوا۔ تو خواہ اُسکا قایل جھوٹا ہو یا سچا اُس کو قبول کرلیتے ہیں۔ بلکہ عاقل آدمی بارہا اہل ضلالت کے اقوال میں سے بھی امر حق نکال لینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ زرِ خالص خاک میں سے ہی نکلتا ہے۔ اور اگر صراف کو اپنی بصیرت پر وثوق ہو۔ تو اس بات کا کچھ خوف نہیں کہ وہ کھوٹے سکہ غیر خالص میں ہاتھ ڈالے اور کھرے کو کھوٹے اور جھوٹے مال سے تمیز کرکے علیحدہ کرلے۔ کھوٹے سکہ چلانے والے سے معاملہ کرنا ایک گنوار دیہاتی کے حق میں باعث زجر ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک سمجھدار صراف کے حق میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کنارہ دریا پر جانے سے اُس شخص کو

منع کیا کرتے ہیں۔ جو شناوری نہ جانتا ہو۔ نہ تیراک کامل کو۔ اور سانپ کو ہاتھ لگانے سے بچے کو روکا کرتے ہیں نہ افسوں گر ماہر کو۔ قسم ہے کہ اکثر خلقت کو اپنی نسبت یہ ظن غالب ہوگیا ہے۔ کہ ہم کو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے تمیز کرنے میں کمال درجہ کی عقل و دانائی اور مہارت ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو خلقت کو گمراہ لوگوں کی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر وہ اُس آفت سے جو ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں بچ بھی گئے لیکن دوسری آفت سے جسکا ہم ابھی ذکر کرنے والے ہیں نہیں بچ سکنے کے +

جن لوگوں کی طبیعتوں میں علوم مستحکم نہیں ہوئے اور جن کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے ایسی نہیں کھولیں کہ اُن کو مذاہب کی غایت مقصد سوجھے اُنھوں نے ہمارے بعض کلمات پر بھی جو ہم نے اپنی تصنیفات میں اسرار علوم دین میں بیان کئے ہیں اعتراضات کئے ہیں۔ اور یہ سمجھا ہے کہ ہم نے وہ کلمات فلاسفۂ متقدمین سے لئے ہیں حالانکہ اُن میں سے بعض خاص اپنے طبعزاد خیالات ہیں۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک راہگیر کا قدم دوسرے راہگیر کے نقش پر پڑے۔ اور اُن میں سے بعض کلمات کتب شرعیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ کلمات زیادہ تر کتب تصوف میں موجود ہیں۔ اور اچھا فرض کرو۔ کہ کلمات مذکورہ بجز کتب فلاسفہ کے اَور کہیں نہیں پائے جاتے۔ لیکن جب کلمات فی نفسہ معقول ہوں اور دلایل منطقی سے

اُن کی تائید ہوتی ہو اور کتاب وسُنّت کے مخالف نہ ہوں تو یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ اُن سے کنارہ کشی اور انکار کیا جائے۔ کیونکہ اگر ہم یہ طریق اختیار کریں اور جس امر حق کی طرف کسی پیرو دین باطل کا خیال گیا ہو اُس کی ترک کرنے لگیں۔ تو ہم کو امور حق کا بہت سا حصہ چھوڑنا پڑے گا۔ اور یہ بھی لازم آئیگا کہ جملہ آیات قرآن مجید و احادیث نبوی و حکایات سلف صالحین و اقوال حکماء و علماء صوفیہ سے بھی کنارہ کیا جائے۔ کیونکہ مصنف کتاب اخوان الصفاء[1] نے اُن کو بطور شہادت اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اُن کے ذریعہ سے احمقوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ نتیجہ اُس کا یہ ہوگا۔ کہ دین باطل کے پیرو حق کو اپنی کتابوں میں درج کر کر ہم سے چھین لیں گے۔ اقل درجہ عالم کا یہ ہے کہ وہ جاہل گنوار کی طرح نہ ہو۔ پس اُس کو شہد سے گو کہ وہ آلۂ حجامت میں ہو پرہیز نہیں کرنا چاہیئے۔ اُس کو یہ بات بہ تحقیق معلوم ہونی چاہیئے۔ کہ آلۂ حجامت سے نفس شہد میں

[1] یہ ایک ضخیم کتاب ہے چار مجلدات میں جو ۵۲ علوم پر مشتمل ہے اور جس میں ہر ایک علم پر ایک مستقل رسالہ لکھا گیا ہے۔ جو رسالہ الٰہیات پر ہے اُس میں حقیقت نبوت و معاد کو فلسفیانہ ڈھنگ پر بیان کیا ہے۔ خیال کیا گیا ہے۔ کہ اس کتاب کو جیسا اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے بہت سے اشخاص نے مل کر لکھا ہے۔ مگر عموماً وہ احمد ابن عبداللہ کیطرف منسوب کی جاتی ہے۔ (مترجم)

کوئی تغیر واقع نہیں ہوسکتا۔ طبیعت کا اُس سے متنفر ہونا جہل عامی پر مبنی ہے۔ اور منشا اُس کا یہ ہے۔ کہ آلۂ حجامت ناپاک خون کے واسطے موضوع ہے۔ پس جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ خون شاید آلۂ حجامت میں پڑنے کی وجہ سے ہی ناپاک ہوگیا ہے۔ اور اتنا نہیں جانتا کہ وجہ ناپاکی کی تو اور صفت ہے جو خود اُس کی ذات میں ہے۔ اگر شہد میں وہ صفت موجود نہیں ہے۔ تو ایک ظرف خاص میں پڑنے سے اُس کو وہ صفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس ضرور نہیں کہ اُس ظرف میں آجانے سے شہد ناپاک ہوجاوے۔ یہ ایک وہم باطل ہے جو اکثر لوگوں کے دلوں پر غالب ہو رہا ہے۔ جب تم کسی کلام کا ذکر کرو اور اُس کلام کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جس کی نسبت وہ حسن عقیدت رکھتے ہیں تو وہ لوگ فوراً اُس کلام کو گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو قبول کرلیں گے۔ لیکن اگر اُس کلام کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرو جو اُن کے نزدیک بداعتقاد ہے تو گو وہ کلام سچا ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز اُس کو قبول نہیں کرنے کے۔ غرضیکہ اُن کا ہمیشہ یہی وتیرہ ہے۔ کہ حق کی شناخت بذریعہ قائل کے کرتے ہیں۔ یہ نہیں کرتے کہ قائل کی شناخت بذریعہ حق کے کریں سو یہ نہایت گمراہی ہے۔ پس یہ آفت تو وہ ہے کہ جو قبول نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے *

آفت دوم یعنے قبول کرنے کی آفت۔ جو شخص کتب فلاسفہ

آفت دوم - فلاسفہ کے بعض اقوال حق کے ساتھ دھوکے سے اقوال باطل بھی قبول کر لیئے جاتے ہیں +

مثلاً اخوان الصّفا وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے اور اُن کلماتؔ کو دیکھتا ہے جو اُنھوں نے انبیا کے کلام حکمت نظام و اقوال صوفیہ کرام سے لے کر اپنے کلام میں ملائے ہیں تو وہ اُس کو اچھّے لگتے ہیں - اور وہ اُن کو قبول کر لیتا ہے - اور اُن کی نسبت حسن عقیدتؔ رکھنے لگتا ہے - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ جو کچھ اُس نے دیکھا اور پسند کیا ہے اُس کے حسن ظن کی وجہ سے وہ اُن باطل باتوں کو بھی جو اُس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں - قبول کریتا ہے - یہ اصل میں ایک قسم کا فریب ہے جس کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ باطل کی طرف کھنچا جاتا ہے اور بوجہ اس آفت کے کتب فلاسفہ کے مطالعہ سے زجر واجب ہے کیونکہ اُن میں بہت خطرناک باتیں اور دھوکے ہیں - اور جس طرح اُس شخص کو جو شناوری نہ جانتا ہو دریا کے کناروں کی پھسلن سے بچانا واجب ہے اسی طرح خلقت کو ان کتابوں کے مطالعہ سے بچانا واجب ہے - اور جس طرح سانپوں کے چھونے سے بچوں کی حفاظت کرنی واجب ہے - اسی طرح اس بات کی بھی حفاظت واجب ہے کہ لوگوں کے کانوں میں فلاسفہ کے اقوال جس میں جھوٹ سچ سب کچھ ملا ہوا ہے نہ پہنچنے پائیں - افسوں گر پر واجب ہے کہ اپنے خورد سال بچّہ کے روبرو سانپ کو ہاتھ نہ لگائے - جبکہ اُس کو معلوم ہے کہ وہ بچہ بھی اُسی کی ریس کرے گا اور گمان کرلے گا کہ میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں بلکہ افسوں گر

پر واجب ہے کہ بچہ کو سانپ سے اس طرح پر ڈراوے کہ اُس کے
روبرو خود سانپ سے بچتا رہے - اسی طرح عالم پر جو اپنے علم میں
مضبوط ہے بعینہ یہی کرنا واجب ہے - پھر دیکھو کہ افسوں گر کامل
سانپ پکڑتا ہے - چونکہ وہ زہر و تریاق کو پہچانتا ہے تو وہ تریاق
کو تو علیحدہ نکال لیتا ہے - اور زہر کو کھو دیتا ہے - ایسے افسوں گر کو
یہ مناسب نہیں - کہ جو شخص حاجتمند تریاق ہو اُس پر تریاق کے دینے
میں بُخل کرے - علیٰ ہٰذالقیاس ایک صراف مبصر جو کھوٹے کھرے کا فرق
بخوبی جانتا ہے جب اپنا ہاتھ کیسۂ سکۂ غیر خالص میں ڈالتا ہے
تو زر خالص کو علیحدہ نکال لیتا ہے - اور کھوٹے سکّے اور ردّی مال کو
پرے پھینک دیتا ہے - یہ مناسب نہیں - کہ ایسے شخص کو جو حاجتمند
زر خالص ہو اُس کے دینے میں بخل کرے - بعینہ یہی طریقہ عالم کو
اختیار کرنا چاہئے - جب حاجتمند تریاق یہ بیان کر کہ یہ شے سانپ میں
سے نکالی گئی ہے جو مرکز زہر ہے اُس کے لینے سے ہچکچائے - اور
مسکین محتاج شخص سونا لینے میں بایں خیال تامّل کرے کہ جس کیسہ
میں سے یہ نکالا گیا ہے - اُس میں تو کھوٹے سکّے تھے تو اُس کو آگاہ
کرنا اور یہ کہنا واجب ہے کہ تمہاری نفرت محض جہالت ہے - اور اس
نفرت کے باعث تم اُس فائدہ سے جو مطلوب ہے محروم رہو گے - اور
اُن کو یہ بھی ذہن نشین کرا دینا چاہئے کہ زر خالص اور زر غیر خالص
کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ غیر خالص

خالص بن جائے - اسی طرح خالص غیر خالص نہیں بن سکتا۔ علی ہٰذالقیاس حق و باطل کے باہم ایک جگہ ہونے سے جس طرح حق کا باطل ہوجانا ممکن نہیں اسی طرح باطل کا حق ہوجانا بھی ممکن نہیں ہے ٭

فلسفہ کی آفتوں اور دشواریوں کا بس ہم اسی قدر ذکر کرنا چاہتے تھے جو اوپر مذکور ہوا ٭

مذہب تعلیم[1] اور اُس کی آفات

امام صاحب مذہب اہل تعلیم کی تحقیق شروع کرتے ہیں

جب میں علم فلسفہ سے فراغت پاچکا اور اُس کی تحصیل و تفہیم کرچکا اور جوکچھ اُس میں کھوٹ تھا وہ بھی دریافت کرچکا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ اس علم سے بھی میری

[1] اہل تعلیم ایک فرقہ ہے اہل بدعت کا جو اپنے تئیں شیعہ کہتے ہیں۔ یہ فرقہ کئی ناموں سے مشہور ہے۔ خراسان میں تعلیمیہ یا اہل تعلیم و ملاحدہ اور عراق میں مزدکیہ و قرامطہ کے نام سے نامزد ہے۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا بڑا اصول مذہب یہ ہے۔ کہ ہر ظاہر کے لئے باطن ہونا ضرور ہے۔ اور وہ اس اصول کے مطابق شریعت کے جملہ احکام ظاہری کی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک وضو سے مراد متابعت امام اختیار کرنا ہے اور نماز سے بدلیل قولہ تعالیٰ الصَّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر رسول مراد ہے۔ اور غسل سے تجدید عہد اور زکوٰۃ سے تزکیہ نفس اور روزہ سے محافظت

پوری پوری غرض حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور عقل کو ایسا استقلال نصیب نہیں کہ جمیع مطالب پر حاوی ہو سکے۔ اور نہ اُس سے ایسا انکشاف حاصل ہو سکتا ہے کہ تمام مشکلات پر سے حجاب اُٹھ جائے۔ چونکہ اہل تعلیم نے غایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہوئی ہے اور خلقت میں ان کا یہ دعوےٰ مشہور ہے۔ کہ ہم کو معانی امور کی معرفت امام معصوم قائم بالحق سے حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا کہ مقالات اہل تعلیم کی تفتیش کروں۔ اور دیکھوں کہ اُن کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ میرا یہ ارادہ ہی ہورہا تھا۔ کہ خلیفۂ* وقت کی طرف سے ایک

خلیفہ وقت کا حکم امام صاحب کے نام

حکم تاکیدی پہونچا۔ کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کرو جس سے مذہب اہل تعلیم کی حقیقت کھل جائے۔ میں اس حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اور یہ حکم میرے اصلی دلی

اسرار امام اور زنا سے افشار اسرار دین مراد ہے ✦

امام غزالیؒ صاحب کے زمانہ میں اس فرقہ کو بہت فروغ حاصل ہوگیا تھا اور حسن صباح نے جو اُن ایام میں اُن کا پیشرو تھا پولٹیکل طاقت پیدا کرکے خلفأ عباسیہ کے دلوں میں بھی اپنا رعب بٹھا دیا تھا ✦

فرقہ باطنیہ نے اپنے مسائل مذہبی میں بہت سے اقوال فلاسفہ ملاکر علوم حکمیہ کے طرز پر کتب مذہبی تصنیف کی تھیں۔ امام غزالیؒ صاحب نے اس فرقہ کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں آئندہ اس امر کا بتفصیل ذکر آئیگا ✦ (مترجم)

* یعنے ابوالعباس احمد المستظہر باللہ جو اس وقت خلیفہ تھے ۱۲ ✦

مقصد کے انجام کے لئے ایک اور تحریک خارجی ہوگئی - پس میں نے
اس کام کو اس طرح پر شروع کیا - کہ اہل تعلیم کی کتابوں کو ڈھونڈھنے
اور اُن کے اقوال جمع کرنے لگا - میں نے ان لوگوں کے بعض اقوال
جدید سنے تھے - جو خاص اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے پیدا ہوئے
ہیں - اور اُن کے علما سلف کے طریق معہود سے مختلف ہیں - پس میں نے
ان اقوال کو جمع کرکے نہایت عمدگی سے مرتب کیا - اور بعد تحقیق کے
اُن کا پُورا پُورا جواب تحریر کیا - یہاں تک کہ بعض
اہل حق مجھ سے نہایت آشفتہ خاطر ہوئے - کہ
میں نے اہل تعلیم کے دلایل کی تقریر میں بہت

امام صاحب سے بعض اہل حق کا رنجیدہ ہونا کہ تردید مخالفین سے اُن کے شبہات کی اشاعت ہوتی ہے

مبالغہ کیا ہے - اور مجھ سے کہنے لگے - کہ اس قسم کی تقریر کرنا گویا اہل
تعلیم کے فائدہ کے لئے خود کوشش کرنا ہے - اور اگر تو اس قسم کے شبہات
کی خود تحقیق و تربیت نہ کرتا - تو ان لوگوں میں تو اس قدر ہمت نہ تھی کہ
اپنے مذہب کی تائید میں اس قدر تقریر کرسکتے +

اہل حق کا اس طرح پر آشفتہ خاطر ہونا ایک وجہ سے سچا تھا - کیونکہ
جب حارث محاسبی نے مذہب معتزلہ کی تردید میں ایک کتاب تصنیف
کی تھی تو احمد حنبل بھی اس بات پر اُن سے آشفتہ خاطر ہوگئے تھے
اس پر حارث* محاسبی نے جواب دیا تھا - کہ بدعت کی تردید کرنا فرض

* حارث محاسبی اکابر علماء دین میں سے ہوئے ہیں - حضرت امام احمد حنبل کے ہمعصر تھے
علم کلام میں سب سے اول کتاب تصنیف کرنے کی عزت انھیں کو حاصل ہے + ۱۲

ہے۔ احمدؐ نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے۔ پر اوّل تُو نے بدعتیوں کے شبہات بیان کئے ہیں اور پھر اُن کا جواب دیا ہے۔ لیکن یہ اندیشہ کس طرح رفع ہوسکتا ہے۔ کہ شاید اُس شبہ کو کوئی ایسا شخص مطالعہ کرے جو شبہ کو بہ خوبی سمجھ لے۔ لیکن وہ جواب کی طرف متوجہ نہ ہو یا جواب کی طرف متوجّہ تو ہو لیکن وہ اُس کو سمجھ نہ سکے۔ احمدؐ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔ لیکن یہ بات اُس قسم کے شُبہ کی بابت صحیح ہو سکتی ہے جو مشہور اور شائع نہ ہوا ہو۔ لیکن جب کوئی شبہ شایع ہو جاوے تو اُس کا جواب دینا واجب ہے اور جواب بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اول شبہ کی تقریر کی جائے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ زبردستی تکلف کرکے کوئی شبہ پیدا نہ کیا جاوے۔ چنانچہ میں نے کوئی شبہ بذریعہ تکلف پیدا نہیں کیا۔ بلکہ یہ شبہات میں نے ایک شخص سے منجملہ اپنے احباب کے سُنے تھے۔ جو اہل تعلیم میں شامل ہوگیا تھا۔ اور اُس نے اُن کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ وہ بیان کرتا تھا کہ اہل تعلیم اُن مصنفوں کی تصنیفات پر جو وہ اہل تعلیم کی ردّ میں

شبہ مذکورہ بالا کا جواب

* یہ نہایت معقول جواب تھا۔ اس زمانہ میں بھی ہمارے علماء دین جو نہیں جانتے کہ علوم حکمیہ کے شیوع سے کس درجہ تک لوگوں کے دلوں میں مذہب کی صداقت کی نسبت شبہات پیدا کر دیتے ہیں اسی قسم کے وہمی خطروں کی بناء پر مباحث کلامیہ کی اشاعت کے مخالف ہیں۔ مگر وہ اس مخالفت سے اسلام کو سخت ضرر پہونچاتے ہیں ۔ (مترجم)

تصنیف کرتے ہیں ہنستے ہیں - کیونکہ ان مصنفوں نے اہل تعلیم کے
دلایل کو نہیں سمجھا - چنانچہ اُسی دوست نے ان دلایل کا ذکر کیا اور
اہل تعلیم کی طرف سے اُن کو حکایتاً بیان کیا - مجھ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ
میری نسبت یہ گمان کیا جائے کہ میں ان لوگوں کے اصل دلایل سے
ناواقف ہوں - پس میں نے اسی واسطے اُن دلایل کو بیان کیا - اور
میں نے اپنی نسبت اس گمان کا ہونا بھی بہتر نہ سمجھا کہ گو میں نے
وہ دلایل سُنے تو ہیں - لیکن اُن کو سمجھا نہیں ہے - اس لئے میں نے
اُن کے دلایل کی تقریر بھی کی ہے - اور مقصد کلام یہ ہے کہ جہانتک
اُن کے شبہات کی تقریر کرنی ممکن تھی وہاں تک میں نے تقریر کی ہے
اور پھر اُس کا فساد اور یہ امر ظاہر کیا ہے کہ اُن کے کلام کا کوئی نتیجہ یا
حاصل نہیں ہے - اور اگر اسلام کے جاہل دوستوں کی طرف سے کج بحثی نہ
ہوتی - تو یہ بدعت باوجود اس قدر ضعف کے اس درجہ تک نہ پہنچتی لیکن
شدت تعصب نے حامیان حق کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اہل تعلیم کے
ساتھ اُن کے مقدمات کلام میں نزاع کو طول دیں - اور اُن کے ہر قول
سے انکار کریں - حتی کہ ان لوگوں نے اہل تعلیم کے اس دعوے سے
بھی انکار کیا کہ انسانوں کو تعلیم اور معلم کی ضرورت ہے - اور ہر ایک معلم
صلاحیت تعلیم نہیں رکھتا - بلکہ ضرور ہے کہ ایک معلم معصوم ہو - لیکن
در باب اظہار ضرورت تعلیم و معلم دلایل اہل تعلیم غالب رہیں - اور اُن
کے مقابلہ میں قول منکرین کمزور رہا - اس پر بعض لوگ نہایت مغرور

ہوئے - اور سمجھا کہ یہ کامیابی اس وجہ سے ہوئی - کہ ہمارا مذہب قوی اور ہمارے مخالفوں کا مذہب ضعیف ہے - اور یہ نہ سمجھا کہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ خود مددگاران حق ضعیف ہیں اور طریق نصرت حق سے ناواقف ہیں *

بعض خدشات اہل اسلام کا جواب

ایسی حالت میں اس بات کا اقرار کرنا بہتر ہے کہ معلم کی ضرورت ہے اور اس کا بھی کہ بے شک وہ معلم معصوم ہے پر ہمارا معلم معصوم محمد صلعم ہے - اب اگر وہ یہ کہیں کہ ان کا تو انتقال ہوچکا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمہارا معلم غایب ہے - پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے معلم نے دعوت حق کرنے والوں کو تعلیم دیکر مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے - اور وہ اس بات کا منتظر ہے - کہ لوگوں میں اگر کوئی اختلاف واقع ہو یا اُن کو کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اُسکی طرف رجوع کریں تو اُس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہمارے معلم نے بھی دعوت حق کرنے والوں کو علم سکھایا ہے - اور اُن کو مختلف شہروں میں منتشر کیا ہے - اور تعلیم کو کامل وجہ پر پہونچادیا ہے - جیساکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے الیوم اکملت لکم دینکم اور تعلیم کے کامل ہوجانے کے بعد جس طرح غایب ہوجانے سے کچھ ضرر نہیں ہوسکتا - اسی طرح اُسکے مرجانے سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا *

اب اُن کا ایک سوال باقی رہا کہ جس امر کی نسبت ہم نے معلم سے کچھ نہیں سنا ہے اُس میں کس طور سے حکم دیں - کیا انھیں

بذریعہ نص کے حکم دیں؟ مگر ہم نے کبھی کوئی نص نہیں سنی۔ کیا بذریعہ اجتہادِ رائے کے حکم دیں؟ مگر اُس میں اختلاف واقع ہونے کا خوف ہے۔ سو اس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ ایسی صورت میں ہم اُس طور پر عمل کریں گے جس طرح پر معاذؓ نے کیا تھا۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جانب یمن دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ پس بصورت ہونے نص کے ہم اُس کے بموجب حکم دیدیں گے۔ اور بصورت نہونے نص کے اجتہاد سے حکم دیں گے۔ چنانچہ اہل تعلیم کے دعوت کرنیوالے بھی جب امام سے بہت دور مثلاً انتہا مشرق کی طرف ہوتے ہیں۔ تو اسی طریق پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ بذریعہ نص حکم دیا جائے کیا وجہ کہ نصوص متناہیہ واقعات غیر متناہیہ کے لئے کافی نہیں ہوسکتے اور نہ یہ ممکن ہے۔ کہ ہر ایک واقع کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع کریں۔ اور بعد قطع مسافت پھر واپس آویں۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں سوال کنندہ مرجائے۔ اور جو فائدہ رجوع سے مقصود تھا وہ فوت ہوجائے۔ دیکھو جس شخص کو سمت قبلہ میں شک ہو اُس کو بجز اسکے اَور کوئی چارہ نہیں۔ کہ اجتہاد سے نماز ادا کرے۔ کیونکہ اگر وہ تحقیق سمت قبلہ کے لئے امام کے شہر کی طرف رجوع کرے گا تو نماز کا وقت فوت ہو جائیگا۔ پس جس صورت میں بناء ظن پر جہت غیر قبلہ کیطرف نماز جائز ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اجتہاد میں غلطی کرنے والے کے لئے ایک اجر اور صحت والے کے لئے دو اجر ہیں۔ تو اسی طرح جملہ اُمور

ابتداہی کا حال ہے - اور علی ہذالقیاس فقیروں کو زکوٰۃ کے روپیہ کے
دینے کی نسبت سمجھنا چاہیئے - اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے - کہ ایک شخص
اپنے اجتہاد سے کسی آدمی کو فقیر سمجھتا ہے - اور وہ حقیقت میں لتونٹہ
ہوتا ہے اور اپنے حال کو اخفا کرتا ہے - سو اگر ایسا شخص غلطی بھی
کرے تو اُس غلطی پر اُس کو کچھ مواخذہ نہ ہوگا - کیونکہ مواخذہ ہر شخص
پر صرف بموجب اُس کے اعتقاد کے ہوتا ہے - اب اگر یہ اعتراض کیا جائے
کہ ہر ایک شخص کے مخالف کا اعتقاد بھی اُسی درجہ کا ہے جس درجہ کا
اُس کا اپنا اعتقاد ہے - تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ہر شخص کو خود اپنے
اعتقاد کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے - جس طرح کہ سمت قبلہ میں اجتہاد
کرنے والا اپنے اعتقاد کی پیروی کرتا ہے گو کوئی اَور شخص اُسکی مخالفت
کرے - اب اگر یہ اعتراض کیا جائے - کہ اس صورت میں مقلد پر امام
ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنا لازم ہے یا کسی اَور کی؟
تو ہم یہ پوچھیں گے - کہ مقلد کو جب سمت قبلہ کی نسبت اشتباہ ہو
اور اجتہاد کرنے والوں میں اختلاف واقع ہو - تو اُس کو کیا کرنا چاہیئے؟ غالباً
اس کا یہی جواب دے گا کہ وہ اپنے دل سے اجتہاد کرے - کہ وہ
دلایل قبلہ کے باب میں کسی شخص کو سب سے عالم اور سب سے فاضل
سمجھتا ہے - سو اُسی کے اجتہاد کی پیروی کرنی لازم ہے - اسی طرح
پر مذاہب کا حال ہے - پس خلقت کا اجتہاد کی طرف رجوع کرنا امر
ضروری ہے - انبیاء و آئمہ بھی باوجود علم کے کبھی کبھی غلطی کرتے

ستھے۔ چنانچہ خود رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ میں صرف بموجب ظاہر کے حکم کرتا ہوں۔ اور بھیدوں کا مالک خدا ہے۔ یعنے میں غالب ظن پر جو قول شواہد سے حاصل ہوتا ہے حکم کرتا ہوں۔ اور قول شواہد میں کبھی کبھی خطائیں بھی ہوتی تھیں۔ پس جب ایسے اجتہادی امور میں انبیا بھی خطا سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تو اور اشخاص کیا اُمید رکھ سکتے ہیں؟

اس مقام پر اہل تعلیم کے دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ اگرچہ قول مذکورۂ بالا امور اجتہادی کے باب میں صحیح ہے۔ لیکن اصول عقاید کے باب میں صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اصول قواعد میں غلطی کرنے والا معذور متصور نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہئے؟ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اصول و عقاید کتاب و سنّت میں مذکور ہیں۔ اور اس کے سوا جو اَور امور از قسم تفصیل و مسائل اختلافی ہیں۔ اُس میں امر حق بذریعہ قسطاس مستقیم کے وزن کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ اور یہ وہ موازین ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور یہ تعداد میں پانچ ہیں۔ اور ہم نے اُن کو کتاب قسطاس[1] مستقیم میں بیان کیا ہے۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے۔ کہ

[1] امام غزالیؒ صاحب نے اپنی کتاب قسطاس مستقیم میں ہر ایک قسم کی صداقت کے جانچنے اور تولنے کے لئے پانچ ترازو مقرر کئے ہیں۔ اور اُن میں سے ہر ایک سے تولنے کے جدا جدا طریق بتائے ہیں۔ اور ان موازین

تیرے مخالف اس میزان میں تجھ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ تو ہم

بقیہ حاشیہ

خمسہ کے یہ نام رکھے ہیں۔ (۱) میزان تعادل اکبر (۲) میزان تعادل اوسط۔ (۳) میزان تعادل اصغر (۴) میزان تلازم (۵) میزان تعاند *

میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی شے کی صفت معلوم ہو اور اُس صفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ صفت مساوی موصوف ہو یا اُس سے عامتر ہو +

میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے۔ اور یہی امر کسی اور شے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مباین شے ثانی کے ہوگی +

میزان اصغر یہ ہے اگر دو امر ایک شے پر صادق آئیں تو ضرور ہے کہ ان دونوں امر میں سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے +

میزان تلازم یہ ہے کہ وجود ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے۔ اور نفی لازم موجب نفی ملزم ہوتی ہے۔ اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا +

میزان تعاند یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو +

ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرایط جن سے تول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صداقتہائے مذہب کو ان موازین سے کس طرح تولا کرتے ہیں یہ سب امور بتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں + (مترجم)

یہ جواب دیتے ہیں - کہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میزان کو سمجھ لے اور پھر اُس میں مخالفت کرے - کیونکہ اس میزان میں نہ تو اہل تعلیم ہی مخالفت کر سکتے ہیں - کیا وجہ کہ میں نے اُس کو قرآن مجید سے استخراج کیا ہے اور قرآن مجید سے ہی میں نے اُس کو سیکھا ہے نہ اہل منطق مخالفت کر سکتے ہیں - کس لئے کہ وہ اُن کی شرائط منطق کے بھی موافق ہے اور اُن کے مخالف نہیں ہے - نہ متکلمین مخالفت کرسکتے ہیں کیونکہ وہ میزان اُن کے دلایل معقولات کے بھی موافق ہے اور مسائل علم کلام میں اس میزان کے ذریعہ سے امر حق ظاہر کیا جاتا ہے +

اب اگر معترض یہ اعتراض کرے - کہ اگر تیرے ہاتھ میں ایسی میزان ہے تو تُو خلقت سے اختلاف کیوں نہیں رفع کردیتا ؟ تو میں جواب میں یہ کہوں گا - کہ اگر وہ لوگ کان دھرکر میری بات سُنیں تو ضرور اختلاف باہمی رفع ہو جاوے - ہم نے کتاب قسطاس مستقیم میں طریق رفع اختلاف بیان کردیا ہے - اُسپر غور کرنا چاہئے - تاکہ تجھ کو معلوم ہو - کہ وہ میزان حق ہے اور اُس سے قطعاً اختلاف دور ہوسکتا ہے - بشرطیکہ لوگ اُس میزان کو توجہ سے سنیں - لیکن سب لوگ اُس کو توجہ سے نہیں سُنتے - چنانچہ ایک جماعت اشخاص نے میری بات توجہ سے سنی - سو اُن کا اختلاف باہمی رفع ہوگیا - تیرا امام جو یہ چاہتا ہے - کہ باوجود عدم توجہی خلق اُن کے اختلافات کو دور کردے - کیا وجہ ہے کہ اب تک

اُس نے اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا - اور کیا وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی جو پیشوا آئمہ ہیں اُس اختلاف کو رفع نہیں کیا - کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ لوگوں کو زبردستی اپنی بات کے سُننے پر متوجہ کر سکتے ہیں؟ اگر یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب تک ان کو مجبور نہیں کیا؟ اور کس دن کے لئے یہ رکھا ہے؟ اور اُن کی دعوت کرنے سے بجز کثرت اختلاف و کثرت مخالفین اور کیا حاصل ہوا؟ ہاں صورت اختلاف میں تو صرف ایسے ضرر کا اندیشہ تھا جسکا انجام یہ نہیں ہوتا کہ انسان قتل ہوں اور شہر برباد ہوں اور بچے یتیم ہوں اور راستے لوٹے جائیں اور مال کی چوری کیجائے - لیکن دنیا میں تمہارے رفع اختلاف کی برکت سے ایسے حادثہ واقع ہوئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں سُنے گئے تھے +

اگر معترض یہ کہے کہ تیرا دعویٰ یہ ہے کہ تو خلقت میں سے اختلاف دور کردے گا - لیکن جو شخص مذاہب متناقض اور اختلافات متقابل میں متحیر ہو تو اُس پر یہ واجب نہ ہوگا کہ تیرے کلام کو توجہ سے سُنے اور تیرے مخالف کے کلام کو نہ سُنے - حالانکہ تیرے بہت سے دشمن مخالف ہوں گے - اور تجھ میں اور اُن میں کچھ فرق نہیں ہے - یہ اہل تعلیم کا دوسرا سوال ہے - اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ سوال اُلٹ[1] کر تم پر ہی وارد ہوتا ہے - کیونکہ جب ایسے

[1] اس اعتراض کے اُلٹنے پلٹنے کی کچھ ضرورت نہ تھی - اس سوال کا اصل

شخص متحیر کو تم نے خود اپنی طرف بلایا تو متحیر کہے گا کہ کیا وجہ ہے کہ تو اپنے تئیں اپنے مخالف پر ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ اکثر اہل علم تیرے مخالف ہیں۔ کاش مجھ کو معلوم ہو کہ تو اس اعتراض کا کیا جواب دے گا۔ کیا تو یہ جواب دے گا کہ ہمارے امام پر نص قرآنی وارد ہے؟ مگر جب اُس شخص نے نص مذکور رسول علیہ السلام سے نہیں سنی تو وہ اس دعوے میں تجھ کو کیونکر سچا سمجھے گا؟ اور اُس نے تو تیرا دعوے ہی نہیں سنا اور ساتھ ہی اس کے جملہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ تو مخترع اور جھوٹا ہے۔ اچھا فرض کرو کہ اُس نے نص مذکور تسلیم بھی کر لی۔ تو اگر وہ شخص اہل نبوت میں متحیر ہوگا۔ تو یہ کہے گا کہ اچھا فرض کیا کہ تیرا امام معجزہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دلیل بھی لاوے۔ اور یہ کہے کہ میری صداقت کی یہ دلیل ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کردوں گا چنانچہ اُس کو زندہ بھی کردیے۔ اور مجھ کو کہے کہ میں سچا ہوں۔ تو مجھ کو اُس کی صداقت کا کس طرح علم ہو؟ کیونکہ اس معجزہ کے ذریعہ سے تو تمام خلقت نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو بھی نہیں مانا تھا۔

جواب یہ تھا کہ بابا میرا کلام تو کس شمار میں ہے۔ خود خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کو اُن لوگوں کے لئے ہدایت قرار دیا ہے جو اُس کو سنتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ الی آخر الآیہ۔ (مترجم)

اس کے سوا اَور بہت سے مشکل سوالات ہیں جو سوائے دقیق دلایل عقلیہ کے رفع نہیں ہوسکتے - اب تیرے نزدیک دلیل عقلی پر تو وثوق نہیں ہوسکتا - اور معجزہ سے صداقت اُس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک سحر کی حقیقت اور سحر اور معجزہ کے درمیان فرق معلوم نہ ہو - اور نیز جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا - اور یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرتا ہے یا نہیں اور اُس کے جواب کا اشکال مشہور ہے - پس ان تمام اعتراضات کا دفعیہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور تیرے امام کی پیروی اُس کے مخالف کی پیروی پر مقدم نہیں ہے - انجام کار وہ ان دلایل عقلی کو بیان کرنے لگے گا جس سے وہ انکار کرتا تھا اور اُس کا مخالف بھی ویسا ہی بلکہ اُس سے واضح تر دلایل بیان کرے گا - اس سوال سے اُن میں ایسا انقلاب عظیم واقع ہوا ہے - کہ اگر اُن کے سب اگلے اور پچھلے اس کا جواب لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے - اور حقیقت میں یہ خرابی اُن ضعیف العقل لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جنھوں نے اہل تعلیم کے ساتھ مباحثہ کیا - اور بجائے اس کے کہ اعتراض کو خود اُنپر اُلٹکر ڈالیں وہ جواب دینے میں مشغول ہوگئے لیکن یہ طریق ایسا ہے - کہ اُس کلام میں طول ہو جاتا ہے - اور وہ زود تر سمجھ میں نہیں آسکتا یہ طریق مناظرہ خصم کے ساکت کرنے کے لئے مناسب نہیں ہوتا *

اب اگر معترض یہ کہے کہ یہ تو معترض پر اعتراض کا اُلٹ دینا ہوا

مگر کیا کوئی اُس سوال کا جواب تحقیقی بھی ہے ؟ تو ہم کہیں گے - کہ ہاں اُسکا یہ جواب ہے - کہ اگر شخص متحیر مذکور نے صرف یہ کہا کہ میں متحیر ہوں اَور کوئی مسئلہ معین نہیں کیا کہ فلاں مسئلہ میں متحیر ہے - تو اُسکو یہ کہا جائیگا کہ تو اُس مریض کی مانند ہے - جو کہے کہ میں بیمار ہوں لیکن اپنا اصل مرض نہ بتلائے اور علاج طلب کرے - پس اُسکو یہ کہا جائیگا کہ دنیا میں مرض مطلق کا کوئی علاج نہیں ہے - لیکن امراض معین مثلاً درد سر و اسہال وغیرہ کے علاج تو ہیں - سو متحیر کو یہ معین کرنا چاہیئے کہ وہ کس امر میں متحیر ہے جب وہ کوئی مسئلہ معین کرے - تو ہم اُسکو امر حق اُن موازین خمسہ کے ذریعہ سے وزن کرکر سمجھا دیں گے جنکو سمجھکر ہرایک شخص کو چار و ناچار اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بیشک یہ وہ سچی میزان ہے - کہ اُسکے ذریعہ سے جو شے وزن کیجائے وہ قابل وثوق ہے - پس وہ میزان کو سمجھ لیگا اور اُسکے ذریعہ سے ہی وزن کا صحیح ہونا بھی سمجھ لیگا - جس طرح حساب سیکھنے والا طالبعلم نفس حساب کو سمجھ لیتا ہے اور نیز اس بات کو کہ معلم حساب خود حساب جانتا ہے اور اُس علم میں سچا ہے - ہم نے تیرے لئے اس امر کی تشریح کتاب قسطاس میں بیس اوراق میں کی ہے - پس اُس کتاب کو غور سے پڑھنا چاہیئے - فی الحال یہ مقصود نہیں کہ اہل تعلیم کے مذہب کی خرابی بیان کیجائے - کیونکہ یہ امر :-

امام صاحب کی تصانیف در تردید مذہب اہل تعلیم

اولاً - ہم اپنی کتاب **المستظہری** میں بیان کرچکے ہیں +

ثانیاً - کتاب **حجۃ الحق** میں - یہ کتاب اہل تعلیم کے ان اعتراضات کا

جواب ہے جو **بغداد** میں ہمارے روبرو پیش کئے گئے ٭

ثالثاً - کتاب **مفصل الخلاف** میں جو بارہ فصل کی کتاب ہے - اور یہ کتاب اُن اعتراضات کا جواب ہے جو مقام **ہمدان** میں ہمارے روبرو پیش کئے گئے ٭

رابعاً - کتاب **الدرج** میں - جس میں خانہ دار نقشہ ہیں - اس کتاب میں اُن کے وہ اعتراضات مندرج ہیں - جو مقام **طوس** میں ہمارے روبرو پیش کئے گئے - یہ اعتراضات سب سے زیادہ رکیک ہیں ٭

خامساً - کتاب **القسطاس** میں - یہ کتاب فی نفسہ ایک مستقل تصنیف ہے - اُسکا مقصود یہ ہے کہ میزان علوم بیان کیجائے - اور یہ بتلایا جائے کہ جو شخص اُس میزان پر حاوی ہوجائے تو پھر اُسکو امام کی کچھ حاجت نہیں رہتی بلکہ یہ جتلانا بھی مقصود ہے - کہ اہل تعلیم کے پاس کوئی ایسی شے نہیں جس کے ذریعہ سے تاریکی رائے سے نجات ملے - بلکہ وہ تعین امام پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں ٭

ہم نے بارہا اُنکی آزمایش کی اور مسئلہ ضرورت تعلیم و معلم معصوم میں اُن کو سچا تسلیم کیا - اور نیز یہ بھی تسلیم کیا کہ معلم معصوم وہی شخص ہے جو اُنھوں نے معین کیا ہے - لیکن جب ہمنے اُنسے اس علم کی بابت سوال کیا - جو اُنھوں نے اس امام معصوم سے سیکھا ہے - اور چند اشکالات اُن پر پیش کئے تو وہ لوگ اُنکو سمجھ بھی نہ سکے - چہ جائیکہ اُن اشکالات کو حل کرتے - جب وہ لوگ عاجز ہوئے تو امام غائب کیطرف متوجہ

ہوئے اور کہا - کہ اُسکے پاس سفر کرکے جانا ضرور ہے - تعجب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی تمام عمریں طلب معلم میں اور اس اُمید میں کہ اُسکے ذریعہ سے فتح پاکر کامیاب ہوں گے برباد کیں - اور مطلق کوئی شے اس سے حاصل نہ کی - اُن کی مثال اُس شخص کی ہے جو نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو اور پانی کی تلاش میں تگ و دَو کرتا ہو - اور آخر اُس کو پانی ملجائے - اور اُسکو وہ استعمال نہ کرے اور بدستور آلودہ نجاست رہے +

بعض لوگوں نے اُن کے کچھ علم کا دعویٰ کیا ہے - اور جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا وہ بعض ضعیف اقوال منجملہ فلسفہ **فیثاغورث**[۱] تھے - یہ شخص متقدمین حکمار میں سے ہے اور اُسکا مذہب جمیع مذاہب

[۱] یہ پہلا حکیم ہے جس نے اپنے تئیں لفظ فیلسوف سے نامزد کیا - یہ حکیم اسبات کا قائل تھا کہ آفتاب مرکز عالم ہے - اور کرہ زمین بطور سیارہ اُسکے گرد گردش کرتا ہے - اور اُسکی اس تحقیق سے علماء اہل اسلام کو بھی خبر تھی - یہ حکیم تناسخ کا بھی قایل تھا - کہتے ہیں کہ اُس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کوئی شخص ایک کُتّے کو مار رہا ہے - اور کُتّا چلاتا ہے - فیثاغورث نے اُسکو مارنے سے منع کیا اور کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں - یہ میرا ایک دوست ہے جس کی رُوح اب کُتّے کے جسم میں آگئی ہے +

ایسے ایسے نامی حُکماء کا معاد کے باب میں ایسے بیہودہ عقاید رکھنا صاف دلیل ہے اِسبات کی کہ علوم حکمیہ اور صداقتہائے مذہبی کا منبع ایک نہیں ہے - ورنہ ایسے عقلاء معاملہ معاد میں اس قدر ٹھوکریں نہ کھاتے - منکرین الہام کو ایسے لوگوں کے حالات سے عبرت اختیار کرنی چاہئے + (مُترجم)

فلاسفہ سے ضعیف تر ہے - ارسطاطالیس نے اُسکی تردید کی ہے - اور اُسکے
اقوال کو ضعیف اور ذلیل ثابت کیا ہے - چنانچہ اُسکا بیان کتاب اخوان الصفا
میں موجود ہے - اور حقیقت میں فیثاغورث کا فلسفہ سب سے زیادہ
بیمعنی ہے - تعجب ہے ایسے شخص پر جو اپنی تمام عمر تحصیل علم کی
مصیبت اُٹھائے اور پھر ایسے کمزور ردّی علم پر قناعت کرے اور یہ سمجھے
کہ میں غایت درجہ کے مقاصد علوم پر پہونچ گیا ہوں - پس ان لوگوں
کا جسقدر ہمنے تجربہ کیا اور اُنکے ظاہر و باطن کا امتحان کیا تو یہ معلوم
ہوا کہ یہ لوگ عوام النّاس اور ضعیف العقلوں کو اسطرح آہستہ آہستہ
فریب میں لاتے ہیں کہ اوّل تو ضرورت معلم بیان کرتے ہیں - اور
جب وہ ضرورت تعلیم سے انکار کرتے ہیں تو یہ قوی اور مستحکم کلام سے
اُنکے ساتھ مجادلہ کرتے ہیں - اور جب ضرورت معلم کے باب میں کوئی
شخص اُنکی مساعدت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا لاؤ ہمکو اُنکا علم بتلاؤ -
اور اُسکی تعلیم سے ہمکو فائدہ بخشو تو وہ ٹھیر جاتا ہے اور کہتا ہے - کہ اب
جو تونے ضرورت معلم تسلیم کرلی ہے - تو بذریعہ طلب اُسکو حاصل کرنا چاہیئے
کیونکہ میری غرض صرف اُسیقدر تھی - وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے
کہ اگر میں کچھ اَور آگے بڑھا تو ضرور رسوا ہوں گا - اور ادنٰے ادنٰے
مشکلات کے حل کرنے سے عاجز ہوجاؤں گا - بلکہ اُن کا جواب دینا تو
درکنار اُن کے سمجھنے سے بھی عاجز رہوں گا +

پس اہل تعلیم کی یہ حقیقت حال تھی جو اوپر گذری +

طریق صوفیہ

جب میں ان علوم سے فارغ ہوگیا تو میں نے تمام تر ہمت اپنی طریق صوفیہ کی طرف مبذول کی - اور میں نے دیکھا کہ طریق صوفیہ اُس وقت کامل ہوتا ہے - جس وقت اُس میں علم اور عمل دونوں ہوں - اور اُن کے علم کی غرض یہ ہے - کہ انسان نفس کی گھاٹیوں کو طے کرے - اور نفس کو بُرے اخلاق اور ناپاک صفات سے پاک کرے - یہاں تک کہ اُس کا دل سوائے اللہ تعالےٰ کے اور ہر ایک شے سے خالی اور ذکر خدا سے آراستہ ہوجائے - میرے لئے بہ نسبت عمل کے علم زیادہ تر آسان تھا - پس میں نے علم صوفیہ کو اسطرح پر تحصیل کرنا شروع کیا - کہ اُن کی کتابیں مثلاً **قوت القلوب ابو طالب مکی** و تصنیفات **حارث محاسبی** و متفرقات ماثورہ **جنید و شبلی** و **بایزید بسطامی** وغیرہ مشائخ مطالعہ کیا کرتا تھا - یہاں تک کہ اُن کے مقاصد علمی کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوگیا - اور اُن کا طریق جس قدر بذریعہ تعلیم و تقریر کے حاصل ہوسکتا تھا وہ حاصل کرلیا - مجھ پر کھُل گیا - کہ خاص الخاص باتیں اُن کے طریقے کی وہ ہیں جو سیکھنے سے نہیں آسکتی ہیں - بلکہ وہ درجہ ذوق و حال و تبدیل صفات سے پیدا ہوتی ہیں - کس قدر فرق ہے - اُن دو شخصوں میں

طریق صوفیہ کی تکمیل کے لئے علم و عمل دونوں کی ضرورت ہے

امام صاحب نے قوۃ القلوب و دیگر تصانیف مشائخ عظام کا مطالعہ شروع کیا

صوفیہ کا درجہ خاص ذوق و حال سے حاصل ہوتا ہے

جن میں سے ایک تو صحت و شکم سیری اور اُن کے اسباب و شرایط کو جانتا ہے اور دوسرا فی الواقع تندرست اور شکم سیر ہے - یا ایک شخص نشہ کی تعریف سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے - کہ نشہ اُس حالت کا نام ہے - کہ بخارات معدہ سے اُٹھ کر دماغ پر غالب ہو جائیں - اور دوسرا شخص درحقیقت حالت نشہ میں ہے - بلکہ وہ شخص جو نشہ میں ہے - تعریف نشہ اور اُس کے علم سے ناواقف ہے - وہ خود نشہ میں ہے لیکن اُس کو کسی قسم کا علم نہیں - دوسرا شخص نشہ میں نہیں ہے لیکن وہ تعریف و اسباب نشہ سے بخوبی واقف ہے - طبیب حالت مرض میں گو تعریف صحت اور اُس کے اسباب اور اُس کی دوائیں جانتا ہے لیکن صحت سے محروم ہے - اسی طرح پر اس بات میں کہ تجھ کو حقیقت زہد اور اُس کے شرایط اور اسباب کا علم حاصل ہو اور اس بات میں کہ تیرا حال عین زہد بن جائے اور نفس دنیا سے ذہول ہو جائے بہت فرق ہے - غرض مجھے یقین ہوگیا کہ صوفیہ صاحب حال ہوتے ہیں نہ کہ صاحب قال - اور جو کچھ طریق تعلیم سے حاصل کرنا ممکن تھا وہ میں نے سب حاصل کرلیا - اور بجز اُس چیز کے جو تعلیم اور تلقین سے حاصل نہیں ہوسکتی - بلکہ ذوق اور سلوک سے حاصل ہو سکتی ہے اَور کچھ سیکھنا باقی نہ رہا +

علوم شرعی و عقلی کی تفتیش میں جن جن علوم میں میں نے مہارت حاصل کی تھی اور جن طریقوں کو میں نے اختیار کیا تھا ان سب سے میرے دل میں اللہ تعالیٰ اور نبوّت اور یوم آخرت پر ایمان یقینی بیٹھ گیا - پس

ایمان کے یہ تینوں اصول صرف کسی دلیل خاص سے میرے دل میں راسخ نہیں ہوئے تھے - بلکہ ایسے اسباب اور قراین اور تجربوں سے راسخ ہوئے تھے - جن کی تفصیل احاطہ حصر میں نہیں آسکتی - مجھ کو یہ ظاہر ہوگیا کہ بجز تقویٰ اور نفس کشی کے سعادت اُخروی کی اُمید نہیں کی جاسکتی - اور اس کے لئے سب سے بڑی بات ہے اس دارِ غرور سے کنارہ کرکے اور جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اُس کی طرف دِل لگاکے دنیاوی علائق کو دل سے قطع کرنا - اور تمام تر ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرنا - اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک جاہ و مال سے کنارہ اور ہر ایک شغل اور علاقہ سے گریز نہ کیجائے - پھر میں نے اپنے احوال پر نظر کی - تو میں نے دیکھا کہ میں سراسر تعلقات میں ڈوبا ہوا ہوں - اور اُنھوں نے مجھ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے - میں نے اپنے اعمال پر نظر کی - جن میں سب سے اچھا عمل تعلیم و تدریس تھا - لیکن اُس میں بھی میں نے دیکھا - کہ میں ایسے علوم کی طرف متوجہ ہوں جو کچھ وقعت نہیں رکھتے اور طریقہ آخرت میں کچھ نفع نہیں دے سکتے - پھر میں نے اپنی نیت تدریس پر غور کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ میری نیت خالصاً للہ نہیں ہے - بلکہ اُس کا سبب و باعث طلب جاہ و شہرت و ناموری ہے - مجھے یقین ہوا کہ میں خطرناک گرنے والے کنارہ پر کھڑا ہوں اور اگر میں تلافی احوال میں مشغول نہ ہوا تو ضرور کنارۂ دوزخ پر آ لگا ہوں - غرض مدت میں اس بات میں فکر کیا کرتا تھا +

امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا ضروری سمجھتے ہیں +

یہاں تک کہ مجھ کو زیادہ تر مقام کرنا ناگوار معلوم ہونے لگا۔ میرا یہ حال تھا کہ ایک روز تو بغداد سے نکلنے اور اِن احوال سے کنارہ کرنے کا عزم مصمم کرتا تھا اور دوسرے روز اُس عزم کو فسخ کر ڈالتا تھا۔ بغداد سے نکلنے کے لیئے ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ کسی صبح کو ایسی صاف رغبت طلب آخرت کیطرف نہیں اُبھرتی تھی۔ کہ پھر رات کو لشکر خواہشات حملہ کرکے اُس کو نہ بدل دیتا ہو۔ اور یہ حال ہوگیا تھا کہ دنیا کی خواہشیں تو زنجیریں ڈالکر کھینچتی تھیں کہ "ٹھیرا رہ ٹھیرا رہ"۔ اور ایمان کا منادی پکارتا تھا کہ "چلدے چلدے" "عمر تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے اور تجھ کو سفر دراز درپیش ہے اور جو کچھ تو اب علم اور عمل کر رہا ہے۔ وہ محض دکھاوے کا اور خیالی ہے۔ پس اگر تو اب بھی آخرت کی تیاری نہ کرے گا تو پھر کس دن کریگا اور اگر تو اس وقت قطع تعلق نہ کرے گا تو پھر کس وقت کرے گا؟" یہ بات سُن کر شوق بھڑک اُٹھتا تھا۔ عزم مصمم ہوتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاؤں اور کہیں نکل جاؤں۔ پھر شیطان آڑے آجاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حالت عارضی ہے۔ خبردار اگر تونے اس کا کہا مانا۔ یہ حالت سریع الزوال ہے۔ اگر تونے اسپر یقین کر لیا اور اتنی بڑی جاہ و شان زیبا کو جو ہر طرح کے تکدر و تنغص سے پاک ہے۔ اور اس حکومت کو جو ہر قسم کے جھگڑوں بکھیڑوں سے صاف ہے چھوڑ بیٹھا اور شاید پھر تیرا دل کبھی اس حالت کی طرف عود کرنے کا شایق ہو

بغداد سے نکلنے کا عزم مصمم

تو تجھ کو اس حالت پر پہونچنا میسر نہیں ہونے کا۔" پس ماہ رجب ۴۸۸ھ ہجری کے شروع سے قریب چھ ماہ تک شہوات دنیا اور شوق آخرت کی کشاکشی میں متردّد رہا اور ماہ حال میں میری حالت اختیار سے نکل کر بے اختیاری کے درجہ تک پہونچگئی کہ ناگاہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان بند کر دی۔

امام صاحب کی زبان بند ہوگئی اور وہ سخت بیمار ہوگئے

حتیٰ کہ میں تدریس کے کام کا بھی نہ رہا۔ میں اپنے دل میں یہ چاہا کرتا تھا کہ ایک روز صرف لوگوں کے دل خوش کرنے کے لئے درس دُوں لیکن میری زبان سے ایک کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بولنے کی مجھ میں ذرا بھی قوت نہیں تھی۔ زبان میں اس طرح کی بندش ہوجانے سے دل میں ایسا رنج و اندوہ پیدا ہوا کہ اُس کے سبب سے قوت ہاضمہ بھی جاتی رہی اور کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ کوئی پینے کی چیز حلق سے نہیں اُترتی تھی اور ایک لقمہ تک ہضم نہیں ہوسکتا تھا۔ آخر اس حالت سے تمام قُوأ میں ضعف طاری ہوا اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ تمام اطبّا علاج سے مایوس ہوگئے۔ اور کہا کہ کوئی حادثہ دل پر ہوا ہے اور قلب سے مزاج میں سرایت کرگیا ہے۔ اور اس کا علاج بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ دل کو غم و اندوہ سے راحت دیجائے۔ جب میں نے دیکھا کہ مَیں عاجز اور بالکل بے بس ہوگیا ہوں۔ تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اُس لاچار آدمی کی طرح جس کو کوئی چارہ نظر نہ آتا ہو التجا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو ہر ایک لاچار دُعا کرنے والے کی فریاد کو سُنتا

ہے میری فریاد بھی سُنی - اور اُس نے جاہ و مال اور بیوی اور بچہ اور دوستوں سے دل ہٹانا آسان کردیا - میں اپنے دل میں سفر **شام** کا عزم رکھتا تھا - لیکن بایں خوف کہ مبادا کہیں خلیفہ اور تمام دوست اس بات سے واقف نہ ہوجائیں - کہ میرا ارادہ **شام** میں قیام کرنے کا ہے - میں نے لوگوں میں **مکّہ** کی طرف جانے کا ارادہ مشہور کیا - یہ ارادہ کرکے کہ میں **بغداد** میں کبھی واپس نہ آؤں گا - وہاں سے بلطایف الحیل نکلا اور تمام آئمہ اہل **عراق** کا ہدف تیر ملامت بنا - کیونکہ اُن میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس بات کو ممکن سمجھتا - کہ جس منصب پر اُس وقت میں ممتاز تھا اُس کے چھوڑنے کا کوئی سبب دینی ہے - بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ سب سے اعلیٰ منصب دین یہی ہے کہ اُن کا مبلغ علم اسی قدر تھا - چنانچہ لوگ طرح طرح کے نتیجہ نکالنے لگے - جو لوگ **عراق** سے فاصلہ پر رہتے تھے اُنھوں نے یہ گمان کیا کہ میرا جانا بباعث خوف حکام ہوا ہے - لیکن جو لوگ خود حکام کے پاس رہتے تھے اُنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا کہ وہ حکّام کس قدر اصرار کے ساتھ میرے ہمراہ تعلق رکھتے تھے اور میں اُن سے ناخوش تھا اور اُن سے کنارہ کش رہتا تھا - اور اُن لوگوں کی باتوں کی طرف متوجّہ نہیں ہوتا تھا - یہ سوچکر لوگ آخر یہ کہتے تھے کہ یہ ایک امر سماوی ہے اور اس کا سبب سوائے اسکے نہیں ہے کہ اہل اسلام و خصوصاً زمرۂ علما کو نظربد لگی ہے - غرض میں **بغداد**

امام صاحب کا سفر مکّہ کے بہانہ سے بغداد سے نکلنا

سے رخصت ہوا - اور جو کچھ میرے پاس مال و متاع تھا وہ سب تقسیم کردیا - میں نے اپنے گذارہ اور بچوں کی خوراک سے زیادہ کبھی جمع نہیں کیا تھا - حالانکہ مال عراق بہ سبب اس کے کہ مسلمانوں کے لئے وقف ہے ذریعہ حصول خیرات و حسنات ہے - اور میری رائے میں دنیا میں جن چیزوں کو عالم اپنے بچوں کے واسطے لے سکتا ہے - اُن چیزوں میں اس مال سے بہتر اَور کوئی شے نہوگی - پھر میں ملک **شام** میں داخل ہوا - اور وہاں قریب دو سال کے قیام کیا - اور بجز عزلت و خلوت و ریاضت اور مجاہدہ کے مجھ کو اَور کوئی شغل نہ تھا - کیونکہ جیساکہ میں نے علم صوفیہ سے معلوم کیا تھا ذکر الٰہی کے لئے تزکیہ نفس و

امام صاحب کا قیام دمشق میں

تہذیب الاخلاق و تصفیہ قلوب میں مشغول رہتا تھا - پس مَیں مدت تک مسجد **دمشق** میں معتکف رہا - بمنار مسجد پر چڑھ جاتا اور تمام دن وہیں رہتا - اور اُس کا دروازہ بند کرلیتا تھا - وہاں سے میں **بیت المقدس** میں آیا - ہر روز مکان صخرہ میں داخل ہوتا

زیارت بیت المقدس

اور اُس کا دروازہ بند کرلیا کرتا تھا - پھر مجھ کو حج کا شوق پیدا ہوا - اور زیارت خلیل علیہ السلام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد زیارت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم و برکات **مکّہ** و **مدینہ** سے استمداد کرنیکا

سفر حجاز

جوش دل میں اُٹھا - چنانچہ میں حجاز کی طرف روانہ ہوا - بعدہٗ دل کی کشش اور بچّوں کی محبت نے وطن کی طرف کھینچ بلایا - سو مَیں

امام صاحب واپس وطن کو آئے اور گوشہ نشینی اختیار کی

وطن کو واپس آیا - گو مجھ کو وطن آنے کا ذرا بھی

خیال نہ تھا - وہاں بھی میں نے گوشہ تنہائی اختیار کیا - تاکہ خلوت اور ذکر خدا کے لئے تصفیہ قلب کی طرف رغبت ہو - پھر حوادث زمانہ اور کاروبار عیال اور ضرورت معاش بہرت مقصد میں خلل ڈالتی تھی - اور صفائی خلوت مکدر ہوجاتی تھی - اور صرف اوقات متفرق میں دلجمعی نصیب ہوتی تھی - لیکن باوجود اس کے میں اپنی امید قطع نہیں کرتا تھا اگرچہ موانعات مجھ کو اپنے مقصد سے دور پھینک دیتے تھے - مگر میں پھر اپنا کام کرنے لگتا تھا - غرضکہ قریب دس سال تک یہی حال رہا - اور اس اثنار خلوت میں مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا - جن کو احاطۂ حد و حساب میں لانا ناممکن ہے - چنانچہ ہم اُس میں سے کچھ بغرض فائدہ ناظرین بیان کرتے ہیں - مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہوگیا - کہ صرف علماء صوفیہ سالکان راہ خدا ہیں - اور اُن کی سیرت سب سیرتوں سے عمدہ اور اُن کا طریق سب طریقوں سے سیدھا اور اُن کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں - بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور تمام حکماء کی حکمت اور اُن علماء کا جو اسرار شرع سے واقف ہیں علم جمع کیا جائے - تاکہ یہ لوگ علماء صوفیہ کی سیرت اور اخلاق ذرا بھی بدل سکیں اور بدل کر ایسا کرسکیں - کہ حالت موجودہ سے بہتر ہوجائیں تو وہ یہ ہرگز نہیں کرسکیں گے - کیونکہ اُن کی تمام حرکات و سکنات ظاہر و باطن نور شمع نبوت سے منور ہیں - اور سوائے نور نبوت کے روئے زمین پر اور کوئی ایسا نور نہیں جس کی روشنی طلب کرنیکے

امام صاحب کو خلوت میں مکاشفات ہوئے

قابل ہو۔ اس طریقہ کے سالک جو کچھ بیان کرتے ہیں منجملہ اُس کے

طہارت کی حقیقت

ایک امر طہارت ہے اور اُس کی سب سے اوّل شرط یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے خدا سے کلّی طور پر پاک کیا جائے - اور اُس کی کلید جو طہارت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو تکبیر تحریمہ نماز سے رکھتی ہے یہ ہے کہ قلب کو کلّی طور پر ذکر خدا میں مستغرق کیا جائے اور آخر اس طریق کا یہ ہے - کہ کلّی طور پر فنافی اللہ ہوجائے اور اس درجہ کو آخر کہنا باعتبار اُن درجات کے ہے جو امور اختیاری کی ذیل میں آتے ہیں ورنہ اکتساب ایسے امور میں درجہ ابتدائی رکھتا ہے۔ سو در حقیقت فنافی اللہ ہونا اس طریق کا پہلا درجہ ہے اور اس سے پہلے کی حالت سالک کے لئے بمنزلہ دہلیز ہے اور اول درجہ طریقت سے ہی مکاشفات[1] و مجاہدات شروع ہوجاتے ہیں حتےٰ کہ یہ لوگ حالت بیداری میں ملائکہ و ارواح انبیاء

[1] یہ واقعی امور ہیں اور وہ واردات ہیں جو قلب سالک پر گذرتے ہیں - گو کہ نابلدان کوچہ معرفت اس پر ہنسی کیا کریں - مگر در اصل وہ ہنسی ان بزرگوں پر نہیں - بلکہ خود اپنے تباہ کار نفسوں اور گمراہ عقلوں پر ہنستا ہے -- مَا يَسْتَهْزِءُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ - چونکہ یہ زمانہ علوم حکمیہ شہودیہ کا ہے اور مشاہدہ وتجربہ ہرایک قسم کی تحقیقات کی بناء قرار پایا ہے اس لئے منکرین قبل اس کے کہ وہ ان عجائبات قلبی کو جن کا امام صاحب نے ذکر فرمایا ہے انکار کریں ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے حسب ہدایت امام صاحب خود تجربہ کرنا اور ان امور کی تصدیق کرنا ضرور ہے نہ جاہلوں کی طرح ہنس دینا ۞ (مترجم)

کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اُن کی آوازیں سنتے ہیں اور اُن سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ پر اُن کی حالت مشاہدہ صور و امثال سے گذر کر ایسے درجات پر پہونچ جاتی ہے جن کے بیان کرنے کی گویائی کو طاقت نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی تعبیر کرنے والا اُن درجات کی تعبیر کرے۔ اور اُس کے الفاظ میں ایسی خطا صریح نہ ہو جس سے احتراز ممکن نہیں۔ غرضکہ اس قدر قرب تک نوبت پہونچتی ہے کہ حلول و اتحاد و وصول کا شک ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں اور ہمنے کتاب **مقصد الاقصیٰ** میں اِن خیالات کی غلطی کی وجہ بیان کی ہے۔ لیکن جس کو اس حالت کا شبہ ہوجاے، تو اُس کے لئے بجز اس شعر کے اور کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ شعر۔ کان ما کان مما لست اذکرہ ، فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر۔

غرضکہ جس شخص کو بذریعہ ذوق کچھ حاصل نہ ہو اُس کو حقیقت نبوت سے بجز نام کے اَور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور حقیقت میں کرامات اولیاء انبیاء کے لئے بمنزلہ امور ابتدائی ہیں

حقیقت نبوت ذوق سے معلوم ہوتی ہے

چنانچہ آغاز حال رسول خدا صلعم کا بھی اسی طرح ہوا۔ آپ **جبل حرا** کیطرف جاتے اور اپنے خدا کے ساتھ خلوت اور اُس کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اہل عرب کہنے لگے کہ محمدؐ اپنے خدا پر عاشق ہوگیا ہے۔ اس حالت کو سالکان طریقت بذریعہ ذوق کے معلوم کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص کو یہ ذوق نصیب نہ ہو اُس کو چاہئے کہ اگر اس کو سالکان طریقت کے ساتھ زیادہ تر صحبت کا اتفاق ہو تو بذریعہ تجربہ و استماع

اس قسم کا یقین حاصل کرلے - کہ قراین احوال سے ایسی حالت یقینی طور پر سمجھ میں آجاوے - جو کوئی ان لوگوں کے ساتھ ہمنشینی اختیار کرتا ہے اُسکو یہ ایمان نصیب ہوتا ہے - کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں - کہ اُنکا ہمنشین بدنصیب نہیں رہتا - لیکن جن لوگوں کو اُنکی صحبت نصیب نہو تو اُنکو یہ چاہیئے کہ اُن براہین روشن کو جو ہمنے کتاب احیاء علوم دین کے باب عجایب القلب میں بیان کئے ہیں پڑھکر یقینی طور سے اس امر کا امکان سمجھ لے +

بذریعہ دلیل کے تحقیق کرنا علم کہلاتا ہے اور عین اُس حالت کا حاصل ہونا ذوق ہے اور سُن کر اور تجربہ کرکر بذریعہ حسن ظن قبول کرنا ایمان ہے - پس یہ تین درجہ ہیں - یَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰت - ان کو چھوڑ کر اَور جاہل لوگ ہیں جو ان کی اصلیت سے انکار کرتے ہیں اور اس کلام سے تعجب کرتے ہیں اور اس کو سنکر مسخرہ پن کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ کس طرح سیدھے راہ پر ہیں اور اُن کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے - وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَا ذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ - طریق صوفیہ پر چلنے سے مجھ پر جن امور کا یقینی طور پر انکشاف ہوا ازانجملہ حقیقت نبوت اور اُس کی خاصیت ہے - اور چونکہ اس زمانہ میں اُس کی سخت ضرورت ہے لہذا اُس کی اصلیت سے آگاہ کرنا ضرور ہے +

حقیقت نبوّت اور خلقت کو اُس کی ضرورت

جاننا چاہیئے کہ جوہر انسان بہ اعتبار اصل فطرت کے خالی اور سادہ پیدا کیا گیا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ کے عالموں کی کچھ خبر نہیں۔ اور عالم بہت ہیں جن کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اَور کسی کو معلوم نہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ انسان کو عالم کی خبر بذریعہ ادراک حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان کا ہرایک ادراک اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اُس کے ذریعہ سے انسان کسی خاص عالم موجودات کا علم حاصل کرے اور عالموں سے مراد اجناس موجودات ہے۔۔ اب سب سے اوّل انسان میں حسّ لامسہ پیدا ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ بہت سے اجناس موجودات کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ لینیت۔ خشونت وغیرہ کا۔ مگر یہ قوت تمام رنگ اور آوازوں کے ادراک سے بالکل قاصر ہے۔ بلکہ رنگ اور آوازیں قوت لامسہ کے حق میں بمنزلہ معدوم کے ہیں۔ اس کے بعد انسان میں قوت باصرہ پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے رنگ اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے۔ یہ اجناس عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہیں۔ پھر انسان میں قوت سامعہ رکھی گئی۔ جس کے ذریعہ سے آوازیں اور نغمات سُنتا ہے۔ پھر انسان میں قوت ذائقہ پیدا ہوتی ہے ٭

اسی طرح پر جب وہ عالم محسوسات سے تجاوز کرتا ہے تو اُسمیں

حقیقت نبوت

سات سال کی عمر کے قریب قوت تمیز پیدا ہوتی ہے - اور یہ حالت اُس کے اطوار وجود میں سے ایک اَور طور ہے - اس حالت میں وہ ایسے امور کا ادراک کرتا ہے جو خارج از عالم محسوسات ہیں اور اُن میں سے کوئی امر عالم محسوسات میں نہیں پایا جاتا - پھر ترقی کرکے ایک اَور حالت پر پہونچتا ہے جس میں اُس کے لئے عقل پیدا کی جاتی ہے پھر وہ واجب اور جائز اور ناممکن و دیگر امور کا جو اُس کی پہلی حالتوں میں نہیں پائے جاتے تھے ادراک کرنے لگتا ہے +

بعد عقل کے ایک اَور حالت ہے جس میں اس کی دوسری آنکھ کھُلتی ہے - جس کے ذریعہ سے وہ غائب چیزوں کو اور اُن چیزوں کو جو زمانہ استقبال میں وقوع میں آنیوالی ہیں - اور نیز ایسے امور کو دیکھنے لگتا ہے جن سے عقل ایسی معزول ہے جس طرح قوت تمیز ادراک معقولات سے اور قوت حِس مدرکات تمیز سے بیکار ہے - اور جس طرح پر اگر قوت ممیزہ پر مدرکات عقل پیش کیجاویں تو عقل ضرور اُن کا انکار کرے گی - اور اُن کو بعید از قیاس سمجھے گی - اسی طرح پر بعض عقلاُ نے مدرکات نبوت سے انکار کیا ہے اور اُن کو بعید سمجھا ہے - سو یہ عین جہالت ہے کیونکہ اُن کے انکار و استبعاد کی بجز اس کے اَور کوئی سند نہیں ہے - کہ یہ ایسی حالت ہے جس پر وہ کبھی نہیں پہونچے - اور چونکہ اُن کے حق میں یہ حالت کبھی موجود نہیں ہوئی اس لئے وہ شخص گمان کرتا ہے کہ یہ حالت فی نفسہ موجود نہیں ہے - اگر اندھے کو بذریعہ تواتر اور روایت

کے رنگوں اور شکلوں کا علم نہ ہوتا اور اُس کے روبرو اوّل ہی مرتبہ اِن امور کا ذکر کیا جاتا تو وہ اُن کو ہرگز نہ سمجھتا اور اُن کا اقرار نہ کرتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کے لئے یہ بات قریب الفہم کردی ہے کہ اُن کو خاصیت نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے۔ جو خواب ہے۔ کیونکہ سونیوالا آیندہ ہونے والی بات کو یا تو صریحاً معلوم کرلیتا ہے یا بصورت تمثیل جس کا انکشاف بعد ازاں بذریعہ تعبیر کے ہوجاتا ہے۔ اس بات کا اگر انسان کو خود تجربہ نہ ہوا ہوتا اور اُس کو یہ کہا جاتا کہ بعض انسان مردہ کی مانند بیہوش ہوجاتے ہیں اور اُس کی قوت حس و شنوائی و بینائی زایل ہوجاتی ہے۔ پھر وہ غیب کا ادراک کرنے لگتے ہیں تو انسان ضرور اس بات کا انکار کرتا اور اُس کے محال ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے اور یہ کہتا کہ قویٰ حسّی ہی اسباب ادراک ہیں پس جس شخص کو خود اِن اسباب کی موجودگی و احضار کی حالت میں ایسی اشیا کا ادراک نہیں ہوسکتا تو یہ بات زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے۔ کہ اُن قویٰ کے معطل ہونے کی حالت میں تو ہرگز ہی ادراک نہ ہو۔ مگر یہ ایک قسم کا قیاس ہے جس کی تردید وجود اور مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ جس طرح عقل ایک حالت منجملہ حالتہائے انسانی ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے انواع معقولات نظر آنے لگتے ہیں۔ جن کی ادراک سے حواس بالکل بیکار ہیں۔ اسی طرح نبوّت سے مراد ایک ایسی حالت ہے جس سے ایسی نظر نورانی حاصل ہوجاتی ہے۔ کہ

خواب خاصیت نبوّت کا نمونہ ہے

اُس کے ذریعہ سے امور غیب اور وہ امور جن کو عقل ادراک نہیں کرسکتی ظاہر ہونے لگتے ہیں *

منکرین نبوت کے شبہات کا جواب

نبوت میں شک یا تو اُس کے امکان کی بابت پیدا ہوتا ہے - یا اُس کے وجود وقوع کی نسبت یا اس امر کی نسبت کہ نبوت کسی شخص خاص کو حاصل ہے یا نہیں۔اُس کے امکان کی دلیل تو یہ ہے کہ وہ موجود ہے - اور اُس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ عالم میں ایسے معارف موجود ہیں جن کا عقل کے ذریعہ سے حاصل ہونا ناممکن ہے - مثلاً علم طِبّ و علم نجوم - جو شخص ان علوم پر بحث کرتا

نبوت کا ثبوت اس عام اصول پر کہ الہام ایک ملکہ ہے جس کا تعلق کل علوم سے ہے

ہے - وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم[1] الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہوسکتے اور تجربہ سے ان علوم کے حاصل کرنے کا کوئی راہ نظر نہیں آتا - بعض احکام علم نجوم ایسے ہیں جن کا وقوع ہزار برس میں صرف ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے - سو ایسے احکام تجربہ سے کیونکر حاصل ہوسکتے ہیں؟ اسی طرح پر خواص ادویہ کا حال ہے - اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جن امور کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا اُن کے ادراک کا ایک اَور طریق موجود ہونا ممکن ہے - اور نبوت کے یہی معنے ہیں - کیونکہ نبوت سے فقط ایسا ہی طریق ادراک مراد ہے - بلکہ اس قسم کا ادراک جو مدرکات

[1] امام صاحب نے حقیقت نبوت کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اُن صحیح واقعات پر مبنی ہے جو تحقیق حالات نفس انسانی سے دریافت ہوئے ہیں - اگرچہ دنیا نے

علم کی ہر شاخ میں بے انتہا ترقی کر لی ہے۔لیکن یہ ترقی محسوسات میں محدود ہے۔نفس ذہن کے متعلق بوجہ اُن بے شمار مشکلات کے جو اُس کے تحقیق کے راہ میں حایل ہیں۔یا اس وجہ سے کہ دنیا کا عام میلان اُن علوم کی جانب ہے جو اس زندگی میں کارآمد ہیں بہت کم تحقیقات کی گئی ہے اور جن لوگوں نے کچھ تحقیقات کی ہے اُن کی رایوں اور اُن نتایج میں جن پر وہ اپنے اپنے خاص طریق سے پہونچے ہیں اس قدر اختلافات ہیں کہ اُن سے اطمینان حاصل ہونا مشکل ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مابعد الطبعیات میں جوکچھ حکماء متقدمین لکھ گئے ہیں اُس سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی ❖

نفس انسانی کے بہت سے حالات اور واقعات ایسے ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے مگر اُن کے علل و اسباب دریافت نہیں ہوئے۔نبوت بھی اس قسم کے حالات میں جن کو ہم مختصراً عجائبات قلبی سے تعبیر کرتے ہیں شامل ہے۔جن لوگوں نے قوانین قدرت کے غیر متغیر ہونے کے مسئلہ پر زیادہ غور کی ہے اور جو اُن تمام واقعات کو جن کا وقوع بظاہر خلاف عادت سمجھا جاتا ہے بذریعہ اصلی علل و اسباب دریافت کرنے کے قوانین قدرت کے تحت میں لانا چاہتے ہیں۔اُنھوں نے عجائبات قلبی کی بھی بہت کچھ تفتیش و تحقیق کی ہے۔اور اُن کی تحقیقات سے جو نتایج حاصل ہوئے ہیں اُن سے اس خیال کی طرف میلان پایا جاتا ہے کہ درحقیقت اُن کیفیات قلبی میں کوئی اعجوبہ پن نہیں ہے اور وہ سب کیفیات اُسی سلسلہ نظام دنیا کا جزو ہیں جو مضبوط قوانین سے جکڑا ہوا ہے

اس قسم کی تحقیقاتوں سے اُن محققین کے نزدیک جو نبوت کو ایک امر فطری قرار

سوا نبوت کے اور بہت سے خواص ہیں - جو ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ بجز

دیتے ہیں - مسئلہ وحی و الہام کی نسبت کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نبوت کو فطری ابتداء ہی اُس کو قوانین قدرت کے تحت میں لاتا ہے ؎

امام صاحب نے جو کچھ حقیقت نبوّت کی نسبت تحقیق کی ہے اُس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فخرالاسلام سید صاحب کی طرح نبوت کو امر فطری سمجھتے تھے - یعنی وہ عام علماء کی طرح نبوّت کو ایک ایسا منصب نہیں سمجھتے کہ جس شخص کو خدا منتخب کرکے چاہے دیدے - بلکہ اُس کو وہ ایک حالت منجملہ فطری حالات قلب انسانی سمجھتے تھے جو مثل دیگر قوائے انسانی بمناسبت اعضا کے قوی ہوتا جاتا ہے - پس طرح دیگر اطوار انسانی بمقتضائے فطرت اپنے وقت خاص پر پہونچکر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح جس شخص میں ملکۂ نبوت ہوتا ہے وہ بھی اپنی کمال قوت پر پہونچکر ظاہر ہوتا ہے - پھر جس طرح سید صاحب نے اس اصول الہام کو صرف نبوّت پر ہی موقوف نہیں رکھا بلکہ دیگر ملکات انسانی تک اُس کو وسعت دی ہے اسی طرح امام صاحب نے اس کو علم ہیئت و علم طب سے بھی اُس کا متعلق ہونا ظاہر کیا ہے - چنانچہ امام صاحب لکھتے ہیں (صفحہ ۱۲۵) کہ جو شخص ان علوم پر بحث کرتا ہے وہ بالضرور یہ جانتا ہے کہ یہ علوم الہام الٰہی اور توفیق منجانب اللہ کے سوا معلوم نہیں ہو سکتے*

امام صاحب اپنے زمانہ کے علوم کے جید عالم اور دارالعلوم بغداد کے مدرس اعلے تھے - یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس قول سے اُن کی یہ مراد ہے کہ ان علوم کے جملہ مسائل جزئیہ بذریعہ الہام منکشف ہوئے ہیں - کون نہیں جانتا کہ ادویہ وغیرہ کے خواص انسان تجربہ سے دریافت کرتا ہے - امام صاحب کا منشا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ گروہ انسان میں سے بعض خاص اشخاص کا ان علوم کے اصول کیطرف ابتداً خود بخود متوجہ ہونا بسبب اُس خاص ملکہ کے تھا جو خداتعالیٰ نے انہیں یا تجھیں پیدا کیا تھا (مترجم)

نبوّت کا ایک قطرہ ہے - ہم نے اس کا ذکر صرف اس سبب سے کیا ہے کہ خود تیرے پاس اُس کا ایک نمونہ موجود ہے - یعنے تیرے وہ مدارت جو حالت خواب میں معلوم ہوتے ہیں اور تجھ کو اسی جنس کے علوم مثلاً طب و نجوم حاصل ہیں +

یہ علوم معجزات انبیا ہیں اور ان علوم کو بذریعہ بضاعت عقل حاصل کرنے کا ہرگز کوئی طریق نہیں ہے - ان کے سوا جو دیگر خواص نبوّت ہیں اُن کا ادراک طریق تصوف پر چلنے سے بذریعہ ذوق کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس بات کو تو تُو اُس نمونہ سے سمجھا ہے جو تجھ کو خداتعالےٰ نے عطا فرمایا ہے - یعنے حالت خواب - لیکن اگر یہ حالت موجود نہ ہوتی تو تو اُس کو کبھی سچ نہ جانتا - پس اگر نبی میں کوئی ایسی خاصیت ہو - جس کا تیرے پاس کوئی نمونہ نہیں اور تو اُس کو ہرگز سمجھ نہیں سکتا تو تُو اُس کی تصدیق کس طرح کرسکتا ہے؟ کیونکہ تصدیق تو ہمیشہ سمجھنے کے بعد ہوتی ہے - یہ نمونہ ابتداءً طریق تصوف میں حاصل ہوجاتا ہے اور جس قدر حاصل ہوتا ہے اُس سے ایک قسم کا ذوق اور ایک قسم کی تصدیق پیدا ہوتی ہے جو صرف اُس کا قیاس کرنے سے پیدا نہیں ہوسکتی پس یہ ایک خاصیت ہی اصل نبوّت پر ایمان لانے کے لئے تجھ کو کافی ہے +

کسی خاص شخص کا نبی ہونا بذریعہ مشاہدہ یا تواتر ثابت ہوسکتا ہے	اگر تجھ کو کسی شخص خاص کے باب میں یہ شک واقع ہو کہ آیا وہ نبی ہے یا نہیں تو

اس بات کا یقین حاصل ہونے کے لئے سوائے اس کے اَور کیا سبیل ہو سکتی ہے کہ بذریعہ مشاہدہ یا بذریعہ تواتر و روایت اُس شخص کے حالات دریافت کئے جائیں - کیونکہ جب تو علم طب اور علم فقہ کی معرفت حاصل کرچکا تو اب تو فقہاء و اطباء کے حالات مشاہدہ کرکر اور اُن کے اقوال سن کر اُن کی معرفت حاصل کر سکتا ہے - گو تونے اُن کا مشاہدہ نہیں کیا ہے اور تو اس بات سے بھی عاجز نہیں ہے کہ شافعی کے فقیہہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت حقیقی نہ کہ معرفت تقلیدی اس طرح حاصل کرے کہ کچھ علم فقہ و طب سیکھے - اور اُن کی کتابوں اور تصانیف کو مطالعہ کرے - پس تم کو اُن کے حالات کا علم یقینی حاصل ہوجائیگا - اس طرح پر جب تونے معنے نبوت سمجھ لئے تو تجھکو چاہیئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت صلعم کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہوجائیگا - کہ آپ اعلےٰ درجۂ نبوت رکھتے تھے اور اس کی تائید اُن امور کے تجربہ سے کرنی چاہیئے جو آپ نے در باب عبادات بیان فرمائے - و نیز دیکھنا چاہیئے کہ تصفیہ قلوب میں اُسکی تاثیر کس درجہ تک ہے - آپ نے کیا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کو اُس چیز کا علم بخشتا ہے - جس چیز کا علم اُس کو حاصل نہیں تھا - اور کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس ظالم کو ہی مسلط کرتا ہے - اور کیسا صحیح فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں بیدار ہو کہ اُسکو صرف ایک خدائے واحد

کی لو لگی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے تمام غموں سے اُسکو محفوظ کرتا ہے۔ جب تم کو ان امور کا ہزار یا دو ہزار یا کئی ہزار مثالوں میں تجربہ ہوگیا تو تم کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائیگا کہ اُس میں ذرا بھی شک نہیں ہوگا۔ پس نبوّت پر یقین کرنیکا یہ طریق ہے[۱]۔ نہ یہ کہ لاٹھی کا سانپ بن گیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ کیونکہ جب تو صرف اس بات کو دیکھے گا۔ اور

بعض معجزات ثبوت نبوت کے لئے کافی نہیں +

[۱] فخر الاسلام سید صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ جس پر اس زمانہ کے سفہائے بنستے ہیں۔ چنانچہ سید صاحب تفسیر القرآن جلد ثالث میں فرماتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے۔ مگر یہ خیال محض غلط ہے۔ انبیا علیہم السّلام پر یا کسی ہادی برحق پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے۔ بعض انسان از روئے فطرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں۔ کہ سیدھی اور سچّی بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے اور وہ اس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔ باوجودیکہ وہ اُس سے مانوس نہیں ہوتے مگر ان کا وجدان صحیح اُس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ اُن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو اس بات کے سچ ہونے پر اُن کو یقین دلاتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو انبیاء صادقین پر صرف اُن کا وعظ و نصیحت سن کر ایمان لاتے ہیں نہ معجزوں اور کرامتوں پر۔ اسی فطرت انسانی کا نام شارع نے ہدایت رکھا ہے۔ مگر جو لوگ معجزوں کے طلبگار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لاسکتا ہے۔ خود خدا نے

بے شمار قراین کو جو احاطہ حصر میں نہیں آسکتے اُس کے ساتھ نہ ملائیگا
تو شاید تجھ کو یہ خیال ہوگا کہ یہ جادو تھا یا صرف تخیل کا نتیجہ تھا اور
یہ امور اللہ کی طرف سے باعث گمراہی ہیں۔ (وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ
کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے) اور تجھ کو مسئلہ معجزات
میں مشکل پیش آئیگی۔ اگر تیرے ایمان کی بنیاد در باب دلالت معجزہ کلام
مرتب ہوگا۔ تو تیرا ایمان بصورت اشکال و شبہ کلام مرتب سے اور زیادہ
پختہ ہوجایگا۔ پس چاہیئے۔ کہ ایسے خوارق ایک جزو منجملہ اُن دلایل و
قراین کے ہوں جو تجھکو معلوم ہیں۔ تاکہ تجھ کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائے
جس کی سند میں کوئی معین شے بیان نہ ہوسکے جیساکہ وہ امور ہیں جنکی
خبر ایک جماعت نے ایسے تواتر سے دی ہے کہ یہ کہنا ممکن نہیں۔ کہ
یقین کسی ایک قول معین سے حاصل ہوا ہے۔ بلکہ ایسے طور سے حاصل
ہوا ہے کہ وہ جملہ اقوال سے خارج نہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ کس قول
واحد سے حاصل ہوا ہے۔ پس اس قسم کا ایمان قوی اور علمی ہے۔ ربا

اپنے رسول سے فرمایا کہ اگر تو زمین میں ایک سرنگ ڈھونڈ نکالے یا آسمان
میں ایک سیڑھی لگائے تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے۔ اور ایک جگہ فرمایا
کہ اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی بھیجدیں اور اُس کو وہ اپنے ہاتھوں
سے بھی چھو لیں تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے۔ اور کہیں گے کہ یہ علانیہ
جادو ہے۔ پس ایمان لانا صرف ہدایت (فطرت) پر منحصر ہے۔ جیسے کہ خدا نے
فرمایا۔ اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۵ (مترجم)

ذوق - وہ ایسا ہے کہ ایک شے آنکھ سے دیکھ لی جائے اور ہاتھ سے پکڑ لی جائے - سو یہ بات سوائے طریق تصوف کے اور کہیں پائی نہیں جاتی ⁂

پس اسقدر بیان حقیقت نبوت فی الحال ہماری غرض دیدہ کے لئے کافی ہے - اب ہم اس بات کی وجہ بیان کریں گے کہ خلائق کو اس کی حاجت ہے ⁂

سبب اشاعت علم بعد از اعراض

جب مجھ کو عزلت و خلوت پر مواظبت کرتے قریب دس سال گذر گئے

تو اس اثنا میں ایسے اسباب سے جن کا میں شمار نہیں کرسکتا مثلاً کبھی بذریعہ ذوق کے اور کبھی بذریعہ

اعراض و حدود شرعی کی حقیقت ⁂

علم استدلالی کے اور کبھی بذریعہ قبول ایمانی کے مجھ کو بالضرور یہ معلوم ہوا کہ انسان دو چیز سے بنایا گیا ہے یعنی جسم اور قلب سے - اور قلب سے مراد حقیقت روح انسان ہے - جو محل معرفت خدا ہے - نہ وہ گوشت و خون جس میں مُردے اور چارپائے بھی شریک ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کے لئے جسم بمنزلہ آلہ کے ہے - جسم کی صحت باعث سعادت جسم ہے اور اُس کا مرض باعث ہلاکت جسم - اسی طرح قلب کے لئے بھی صحت و سلامت ہوتی ہے - کوئی شخص اُس سے نجات نہیں پاتا بجز اُس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لیکر حاضر ہو -

علی ہذالقیاس قلب کے لئے مرض بھی ہوتا ہے اور اُس میں ہلاکت ابدی و اخروی ہے - جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُن کے دلوں میں مرض ہے - اللہ کو نہ جاننا زہر مہلک ہے - اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرکے اللہ کا گنہگار ہونا اُس کا سخت مرض ہے - اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اُس کے لئے تریاق زندگی بخش ہے - اور خواہشات نفسانی کی مخالفت کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اس کی دوائے شافی ہے - جس طرح معالجہ بدن کا بجز استعمال دوا کے اور کوئی طریق نہیں ہے اسی طرح پر امراض قلبی کا معالجہ بغرض ازالۂ مرض و حصول صحت بھی بجز استعمال ادویہ کے کسی اور طرح پر نہیں ہوسکتا - اور جس طرح حصول صحت میں ادویہ امراض بدن بذریعہ ایسی خاصیت کے موثر ہوتی ہیں جس کو عقلاً اپنی بضاعت عقل سے سمجھ نہیں سکتے بلکہ اُس میں اُن کو اُن اطباء کی تقلید واجب ہوتی ہے جنھوں نے اُس خاصیت کو انبیاء علیہ السلام سے جو اپنی خاصیت نبوت کی وجہ سے خواص اشیا پر مطلع تھے حاصل کیا ہے - پس اسی طرح مجھ کو یقیناً یہ ظاہر ہوا - کہ ادویہ عبادات بحدود و مقادیر مقررہ و مقدرۂ انبیاء کی وجہ تاثیر بھی عقلاً کے بضاعت عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی - بلکہ اُس میں انبیاء کی تقلید واجب ہے جنھوں نے ان خواص کو نور نبوت سے معلوم کیا ہے نہ بضاعت عقل سے - نیز جس طرح پر ادویہ نوع اور مقدار سے مرکب ہیں کہ ایک دوا دوسری دوا سے وزن و مقدار میں مضاعف استعمال کیجاتی ہے اور اُن کا اختلاف مقادیر خالی از حکمت

نہیں۔ اور یہ حکمت من قبیل خواص ہوتی ہے۔ پس اسی طرح عبادات بھی جو ادویہ امراض قلوب ہیں افعال مختلف التنوع والمقدار سے مرکب ہیں۔ مثلاً سجدہ رکوع سے دو چند ہے۔ اور نماز فجر مقدار میں نماز عصر سے نصف ہے۔ پس یہ مقادیر خالی از اسرار نہیں۔ اور یہ اسرار من قبیل اُن خواص کے ہیں جن پر بجز نور نبوت کے اَور کسی طرح اطلاع نہیں ہو سکتی۔ پس نہایت احمق اور جاہل ہے وہ شخص جس نے یہ ارادہ کیا کہ طریق عقل سے اِن امور کی حکمت کا استنباط کرے۔ یا جس نے یہ سمجھا کہ یہ امور محض اتفاقیہ طور سے مذکور ہوئے ہیں۔ اور اُس میں کوئی ایسا سِر نہیں ہے جو بطریق خاصیت موجب حکم ہوا ہو۔ نیز جس طرح ہر ادویہ میں کچھ اصول ہوتے ہیں جو ادویہ مذکور کے رُکن کہلاتے ہیں اور کچھ زوائد جو متممات ادویہ ہوتے ہیں جنمیں سے ہرایک بوجہ اپنی تاثیر خاص کے ممدّ عمل اصول ہوتا ہے۔ اسی طرح نوافل و سنن آثار ارکان عبادت کے لیئے باعث تکمیل ہیں۔ غرضکہ انبیاء امراض قلوب کے طبیب ہیں۔ اور فائدہ عقل کا اور اُس کے تصرف کا یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ سے ہی ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے۔ اور وہ نبوّت کی تصدیق کرتی ہے اور اپنے تئیں اُس چیز کے ادراک سے جس کو نُور نبوت سے دیکھ سکتے ہیں عاجز ظاہر کرتی ہے۔ اور اس عقل نے ہمارا ہاتھ پکڑکر ہم کو اس طرح حوالہ نبوّت کر دیا ہے جس طرح اندھوں کو راہبر اور متحیّر مریضوں کو طبیب شفیق کے سپرد کیا جاتا ہے۔ پس عقل کی رسائی و پرواز صرف یہانتک

ہے اور اس سے آگے معزول ہے - بجز اس کے کہ جو کچھ طبیب سمجھائے اُس کو سمجھ لے - یہ وہ امور ہیں جو ہم نے زمانہ خلوت و عزلت میں ایسے یقینی طور پر معلوم کئے ہیں جو مشاہدہ کے برابر ہیں +

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کا فتور اعتقاد کچھ تو در باب اصل نبوّت ہے اور کچھ اُس کی حقیقت سمجھنے میں اور کچھ اُن باتوں پر عمل کرنے میں جو نبوّت نے کھولی ہیں - میں نے تحقیق کیا کہ یہ باتیں لوگوں میں کیوں پھیل گئیں - تو لوگوں کے فتور اعتقاد و ضعف ایمان کے چار سبب پائے گئے +

اسباب فتور اعتقاد

سبب اوّل - اُن لوگوں کی طرف سے جو علم فلسفہ میں غور کرتے ہیں +

سبب دوئم - اُن لوگوں کی طرف سے جو علم تصوّف میں ڈوبے ہوئے ہیں +

سبب سوئم - اُن لوگوں کی طرف سے جو دعوے تعلّم کی طرف منسوب ہیں - یعنے بزعم خود چھپے ہوئے امام مہدی سے علم سیکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں +

سبب چہارم - اُس معاملہ کی طرف سے جو بعض اشخاص اہل علم کہلاکر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں +

میں مدت تک ایک ایک شخص سے جو متابعت شرع میں کوتاہی کرتے تھے ملا کرتا اور اُس کے شبہ کی نسبت سوال - اور اُس کے عقیدہ اور اسرار سے بحث کیا کرتا تھا - اور اُس کو کہتا تھا کہ

بعض متشکّکین کے اوہام

تو متابعت شرع میں کیوں کوتاہی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر تو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور پھر باوجود اس یقین کے آخرت کی تیاری نہیں کرتا اور دنیا کے بدلے آخرت کو بیچتا ہے تو یہ حماقت ہے کیونکہ تو کبھی دو کو ایک کے بدلے نہیں بیچتا پھر کس طرح تو اُس لا انتہا زندگی کو اس چند روزہ زندگی کے بدلے بیچتا ہے؟ اور اگر تو روز آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتا تو تُو کافر ہے پس تجھ کو طلب ایمان میں اپنا نفس درست کرنا چاہیئے۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا سبب ہے تیرے اُس کفر مخفی کا جس کو تو نے باطناً اپنا مذہب ٹھیرایا ہے اور جس سے ظاہراً یہ جرأت پیدا ہوئی ہے۔ گو تو ان امور کی تصریح نہیں کرتا۔ کیونکہ ظاہر میں ایمان کا تجمل اور ذکر شرع کی عزت رکھتا ہے پس کوئی تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ اگر تعلیمات نبویہ پر محافظت ضروری ہوتی تو علما اس محافظت کے زیادہ تر لائق تھے۔ حالانکہ فلاں عالم کا یہ حال ہے کہ مشہور فاضل ہوکر نماز نہیں پڑھتا۔ اور فلاں عالم شراب پیتا ہے اور فلاں عالم وقف اور یتیموں کا مال ہضم کرتا ہے۔ اور فلاں عالم وظیفہ سلطانی کھاتا ہے اور حرام سے احتراز نہیں کرتا اور فلاں عالم شہادت دینے اور حکم متعلق عہدہ قضا کے صادر کرنے کے معاوضہ میں رشوت لیتا ہے اور علے ہذالقیاس ایسا ہی اَور لوگوں کا حال ہے*

اسی طرح پر ایک دوسرا شخص علم تصوف کا مدعی ہے اور یہ دعویٰ

* یہ اعمال تھے اُن علمأ کے جو امام غزالیؒ جیسے مقدس شخص کی تکفیر کرتے تھے*

کرتا ہے کہ میں ایسے مقام پر پہونچ گیا ہوں کہ مجھے اب عبادت کی حاجت نہیں رہی ؛

تیسرا شخص اہل اباحت کے شبہات کا بہانہ کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو طریق تصوف میں پڑکر راستہ بھول گئے ہیں ؛

چوتھا شخص ۔ جو کہیں اہل تعلیم سے جو امام مہدی سے تعلیم پانے کے مدعی ہیں ملاقات رکھتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ حق کا دریافت کرنا مشکل ہے اور اس کی طرف راستہ بند ہے اور اس میں اختلاف کثرت سے ہے اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر کچھ ترجیح نہیں ہے اور دلایل عقلیہ ایک دوسرے سے تعارض رکھتے ہیں۔ پس اہل الرائے کے خیالات پر کچھ وثوق نہیں ہوسکتا۔ اور مذہب تعلیم کی طرف بلانیوالا محکم ہے۔ جس میں کوئی حجت نہیں ہوسکتی۔ پس میں بوجہ شک کے یقین کو کس طرح ترک کرسکتا ہوں ؛

پانچواں[۱] شخص کہتا ہے۔ کہ میں تعلیم نبوی کی محافظت میں سستی کسی کی

[۱] آجکل کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان بھی (الّا ماشاءاللہ) عموماً اسی کینڈے کے ہوتے ہیں۔ اُن کے دل میں نہ خوف خدا ہے نہ پاس رسول۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرنا حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبیاں کرنا۔ مذہب جیسی مقدس چیز کو پھبتیوں میں اُڑانا۔ اپنے واجب التعظیم بزرگوں کے حفظ مرتبت کو پرانے فیشن کا خیال سمجھنا اور بہائم کی طرح بے لگام آزادی سے زندگی بسر کرنا جسے وہ نیچر کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اپنا مشرب

تقلید سے نہیں کرتا۔ بلکہ میں علم فلسفہ پڑھا ہوا ہوں۔ اور حقیقت نبوت کو خوب پہچان چکا ہوں۔ اُس کا خلاصہ یہی حکمت و مصلحت ہے۔ اور نبوت کے وعید سے مقصد یہ ہے۔ کہ عوام النّاس کے لئے ضابطہ بنایا جاوے اور اُن کو باہم لڑنے جھگڑنے اور شہوات نفسانی میں چھوٹے رہنے سے روکا جاوے اور میں عوام جاہل شخصوں میں سے نہیں ہوں۔ کہ اس تکلیف میں پڑوں۔ میں تو حکماء میں سے ہوں اور حکمت پر چلتا ہوں

ٹھیرایا ہے +

ہمارے علماء دین نے محب الاسلام سید احمد خان کے کفر کے فتووں پر ضرور مہریں لگائیں۔ مگر کچھ شک نہیں کہ اس معصیت کا ارتکاب اُن سے نیک نیتی اور عین محبت اسلام سے عمل میں آیا لیکن سید کو درحقیقت رسوا کیا ان بہائم صفت انسانوں کا مذہب مسلمانوں نے اولئک کالانعام بلھم اضلّ جو اپنی ابلہ فریبی سے دنیا پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سید کے پیرو ہیں۔ اگر بتوں کے پوجنے والے حضرت نبینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ تو یہ فرقہ بھی سید کا پیرو سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ شخص پیرو کہلائے جاسکتے ہیں تو کہلائے جاسکتے ہیں مسٹر بریڈلاہ کے یا مسٹر زنگ سول یا ڈارون کے۔ نہ اُس سچے خدا پرست و عاشق رسول کے جو کہتا ہے

خدا دارم دلے بریان و عشقِ مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
زکفرِ من چہ میخواہی ز ایمانم چہ مے پرسی
ہماں یک جلوہ دیدار است ایمانے کہ من دارم

اور اُس میں خوب نظر رکھتا ہوں اور بوجہ حکمت تقلید پیغمبر کا محتاج نہیں ہوں ✤

یہ ایمان کا آخری درجہ ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے فلسفہ الٰہی پڑھا ہے اور یہ اُنھوں نے کُتب **بُوعلی سینا و بُونصر فارابی** سے سیکھا ہے۔ یہ لوگ زینت اسلام سے بھی مزین ہیں۔ نیز تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض اُن میں سے قرآن پڑھتے اور جماعتوں اور نمازوں میں حاضر ہوتے اور زبان سے شریعت کی تعظیم ظاہر کرتے ہیں لیکن معذلک شراب پینے اور طرح طرح کے فسق و فجور کو ترک نہیں کرتے۔ اور جب اُن کو کوئی یہ کہتا ہے کہ اگر نبوّت صحیح نہیں تو نماز کیوں پڑھتے ہو۔ تو کبھی تو یہ جواب دیتے ہیں کہ بدن کی ریاضت اور اہل شہر کی عادت اور مال اور اولاد کی حفاظت ہے اور کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت صحیح ہے اور شریعت حق ہے۔ پھر جو اُن سے شراب پینے کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں۔ کہ شراب اس واسطے منع ہے کہ وہ آپس میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے اور میں اپنی حکمت کے سبب ان باتوں سے بچا رہتا ہوں اور میں شراب صرف اس وجہ سے پیتا ہوں کہ ذرا طبیعت تیز ہوجائے۔ یہانتک کہ **بوعلی سینا** نے اپنی وصیت میں لکھا ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے فلانے فلانے کام کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ اور شریعت کے اوضاع کی تعظیم کیا کروں گا اور عبادات دینی و بدنی میں کبھی قصور نہ کروں گا اور بہ نیت بیہودگی شراب نہیں پیوں گا۔ بلکہ اُس کا استعمال صرف بطور دوا و علاج کے کروں گا۔ پس اُس کی صفائی ایمان و

التزام عبادت کی حالت کا یہ اخیر درجہ ہے کہ وہ شراب خواری کو بہ نیت شفا مستثنےٰ کرتا ہے +

ایسا ہی ان سب مدعیان ایمان کا حال ہے - ان لوگوں کے سبب بہت لوگ دھوکے میں آگئے ہیں - اور اُن کے دھوکے کو معترضین کے ضعیف اعتراضوں نے اور بھی زیادہ کر دیا ہے - کیونکہ اُنھوں نے انکار علم ہندسہ و منطق کی بنیاد پر اعتراض کئے ہیں[1] - حالانکہ یہ علوم اُن کے نزدیک جیساکہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں - یقینی ہیں +

---

[1] بعینہٖ اسی طرح اس زمانہ کے اکثر انگریزی خواں نوجوانوں کا حال ہے - وہ اپنے مذہب سے محض کورے ہیں اور کسی قسم کی تعلیم مذہبی اُن کو نہیں دی گئی - اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ وہ معاملہ مذہب کے باب میں جس میں اُن کو درک حاصل نہیں تھا سکوت اختیار کرتے لیکن ہمارے علماؑ کے بے ڈھنگے اعتراضوں نے اُن کو اسلام کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا اور وہ مذہب کے ساتھ گستاخی اور زبان درازی سے پیش آنے لگے - ہمارے علماؑ نے اُن امور محققہ سے جو دلایل ہندسی اور مشاہدہ عینی سے ثابت ہو چکے ہیں انکار کیا اور اسی انکار کی بنار پر اُن مشککین پر اعتراض کئے - ان اعتراضات کی غلطیوں اور بیہودگیوں نے جو بالبداہت ظاہر تھیں علوم جدیدہ کے پڑھنے والوں کے دل میں عام طور پر یہ یقین پیدا کیا ہے کہ مذہب اسلام کی بنا ایسے ہی بودے دلایل اور جاہلانہ اقوال پر ہے - پس جملہ مسائل مذہب اسلام کی نسبت عام بدظنی پھیل گئی ہے اور اُس کی ہر خفیف بات کو بھی جس میں ذرا سا امکان بھی بھدی صورت میں ظاہر کئے جانے کا ہوتا ہے نہایت کریہہ اور قابل نفرت صورت میں دنیا کے

۱۔ مترجم

جب میں نے مختلف خیالات کے لوگ دیکھے کہ اُن کا ایمان اِن اسباب سے	امام صاحب خلوت ترک کرنے اور لوگوں کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کا ارادہ کرتے ہیں*

آگے پیش کیا جاتا ہے۔ اور تمام دُنیا میں اسلام پر مضحکہ ہوتا ہے۔ اسطرح پر اس زمانہ میں اسلام پر چھُری پھر رہی ہے جس کا عذاب بے شک ہمارے عُلماء کی گردن پر ہوگا ورنہ کیا حقیقت ہے انگریزی خوانوں کی اور کیا حوصلہ ہے اُن کو کلام الٰہی پر حرف گیری کرنے کا؟ اُن کی مثال اُس ڈورے کی ہے جو ہوا میں لٹکایا گیا ہو اور جدھر کی ہوا آئے وہ اُدھر کو جھُک جائے۔ صرف آدھ گھنٹہ کا لکچر ان لوگوں کے خیالات اور عقاید اور اصول کے بدلنے کے لئے کافی ہے۔ ذٰلِکَ مبلغھم من العلم مگر ہمارے علماء نے خود اپنے ضعیف اعتراضوں کی وجہ سے اُن کو قوت اور وقعت دیدی ہے۔ ؎ منش کردہ ام رستم داستاں * وگرنہ یلے بود در سیستاں* جب تک ہم میں ایسے علماء موجود نہ ہوں گے جو جامع ہوں علوم قدیم اور جدید کے۔ تب تک اُن سے اسلام کی خدمت ہونی ناممکن ہے۔ اس زمانہ میں ہر قسم کی خدمت کے لئے سخت سخت شرائط و قیود مقرّر کی گئی ہیں اور ادنیٰ سے ادنےٰ خدمت کے لئے اعلےٰ درجہ کا سلیقہ ضروری سمجھا گیا ہے۔ کیا خدمت اسلام ہی ایسی خفیف اور نکمّی شے ہے کہ ہر کس و ناکس اُس کے خادم ہونے کا مدعی بن سکے اور ممبر پر چڑھکر جیسا اُس کی سمجھ میں ہووے اسلام کی حقیقت بیان کردیا کرے؟ خدمت اسلام۔ بڑا مشکل اور سخت جوابدہی کا کام ہے اور جو شخص اِسس خدمت کا بیڑا اُٹھائے۔ ضرور ہے کہ وہ علوم حکمیہ جدیدہ میں معتدبہ قابلیت رکھتا ہو* (مترجم)

اس حد تک ضعیف ہوگیا ہے اور میں نے اپنے تئیں اس شبہ کے ظاہر کرنے پر تیار پایا۔ کیونکہ ان لوگوں کو فضیحت کرنا میرے لئے پانی پینے سے بھی زیادہ آسان تھا۔ کیا وجہ کہ میں نے ان کے علوم یعنے صوفیہ و فلاسفہ و اہل تعلیم و علماء خطاب یافتہ سب کے علوم کو نہایت غور سے دیکھا تھا۔ پس میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ایک کام اس وقت کے لئے معین اور مقرر ہے۔ پس یہ خلوت اور عزلت اختیار کرنا تیرے کیا کام آئیگا۔ مرض عام ہوگیا ہے۔ اور طبیب بیمار ہوگئے ہیں اور خلقت ہلاکت کو پہونچ گئی ہے۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو اس تاریکی کے انکشاف اور اس ظلمت کے مقابلہ پر کس طرح قادر ہوگا کہ یہ زمانہ زمانۂ جہالت ہے اور یہ دَور دَور باطل ہے اور اگر تو لوگوں کو ان کے طریقوں سے ہٹاکر جانب حق بلانے میں مشغول ہوگا۔ تو سب اہل زمانہ مل کر تیرے دشمن ہوجائیں گے اور تو کس طرح ان سے عہدہ برا ہوگا۔ اور ان کے ساتھ تیرا گذارہ کیسے ہوگا۔ یہ امور زمانہ مساعد اور زبردست دیندار سلطان کے سواء اور کسی طرح پورے نہیں ہوسکتے۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت طلب کی۔ کہ عزلت پر میری مداومت رہے۔ اور میں نے عذر کیا کہ میں بذریعہ دلیل اظہار حق سے عاجز ہوں۔ پس تقدیر الٰہی یوں ہوئی کہ سلطان وقت کے دل میں خود ایک تحریک پیدا ہوئی۔ جس کا باعث کوئی امر خارجی نہ تھا۔ پس حکم سلطانی صادر ہوا

سلطان وقت کا حکم امام صاحب کے نام

کہ تم فوراً نیشاپور جاؤ اور اس بے اعتقادی کا علاج کرو۔ اس حکم میں اسقدر تاکید کی گئی کہ اگر میں اسکے برخلاف اصرار کرتا تو سخت گیری کیجاتی۔ پس میرے دل میں خیال آیا کہ اب باعث رخصت عزلت ضعیف ہوگیا ہے۔ پس تجھ کو یہ واجب نہیں کہ اب تو محض بوجہ کاہلی و آرام طلبی و طلب عزت ذاتی و بایں خیال کہ ایذا خلقت سے نفس محفوظ رہے بدستور گوشہ نشین بنا رہے۔ اور اپنے نفس کو خلقت کی ایذار کی سختی برداشت کرنے کی اجازت نہ دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ الآیہ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول خیرالبشر کو فرماتا ہے وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰٓی اَتٰھُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ وَلَقَدْ جَآءَکَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ۔ پھر فرماتا ہے یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ الیٰ قولہ۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ ۔ اس باب میں میں نے بہت سے ارباب قلوب و مشاہدات سے مشورہ کیا۔ پس سب نے اس اشارہ پر اتفاق رائے ظاہر کیا۔ کہ عزلت ترک کرنا اور گوشہ سے نکلنا مناسب ہے۔ اسکی تائید بعض صالحین کے متواتر کثیر التعداد خوابوں سے بھی ہوئی۔ جن سے اس بات کی شہادت ملی۔ کہ اس حرکت کا مبدء خیر و ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے اختتام پر مقرر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو ہرایک صدی کے آخر میں زندہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس ان شہادات سے امید مستحکم ہوئی۔ اور حسن ظن غالب ہوا۔ اور ماہ ذی القعدہ ۴۹۹ھ ہجری میں

امام صاحب ذی القعدہ ۴۹۹ھ میں نیشاپور پہونچے

اللہ تعالیٰ آسانی سے **نیشاپور** کی طرف لیگیا - کہ وہاں اس کام کے انجام دینے کے لئے قیام کیا جاوے اور **بغداد** سے ۴۸۸ھ ہجری میں نکلنا ہوا تھا - اور گوشہ نشینی قریب گیارہ سال کے رہی - اور **نیشاپور** میں جانا اللہ تعالےٰ نے تقدیر میں لکھا تھا - ورنہ جسطرح **بغداد** سے نکلنے اور وہاں کے حالات سے علٰحدہ ہونیکا کبھی دل میں امکان بھی نہیں گذرا تھا - اسیطرح **نیشاپور** کو جانا بھی منجانب عجایب تقدیرات الٰہی تھا جسکا کبھی وہم و خیال بھی دل میں نہیں آیا تھا - اور اللہ تعالیٰ دلوں کو اور احوال کو بدلنے والا ہے - مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے - اور میں جانتا ہوں کہ اگرچہ میں نے اشاعت تعلیم کی طرف رجوع کیا لیکن اصل میں یہ رجوع نہیں تھا - کیونکہ رجوع کہتے ہیں حالت سابق کی طرف عود کرنے کو اور میں زمانہ سابق میں ایسے علم کی تعلیم دیتا تھا جس سے دنیاوی عزت و جاہ حاصل ہو اور خود اپنے قول طریق عمل سے لوگوں کو عزت دنیاوی کی طرف بلاتا تھا - اور اُس وقت میرا ارادہ اور نیت بجز اس کے اَور کچھ نہیں تھا - لیکن اب میں اُس علم کی طرف بلاتا ہوں جس کے لئے عزت و جاہ دنیاوی کو ترک کرنا پڑتا ہے اور جسکی وجہ سے رتبہ و منزلت کا ساقط ہونا مشہور ہے - پس فی الحال میرا ارادہ اور نیت اور آرزو بجز اس کے اَور کچھ نہیں - اللہ تعالیٰ میری نیت سے آگاہ ہے - میری یہ خواہش ہے کہ اپنی اور نیز اَوروں کی اصلاح کروں - معلوم نہیں کہ میں اپنی مراد کو پہونچوں یا اپنے مقصد میں ناکام رہوں -

لیکن ایمان یقینی اور مشاہدہ نے مجھ کو یہ یقین دلایا ہے کہ سوائے اللہ بزرگ کے رجوع اور قوت کسی کو حاصل نہیں۔ یہ حرکت میری جانب سے نہ تھی۔ بلکہ اُسی کی جانب سے تھی اور میں نے خود کچھ نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ کیا اُسنے ہی مجھ سے کرایا۔ پس اللہ سے یہ دُعا ہے۔ کہ وہ اوّل خود مجھکو صالح بنائے۔ پھر میرے سبب اَوروں کو صالح بنائے۔ اور مجھکو ہدایت بخشے اور پھر میرے سبب اَوروں کو ہدایت بخشے۔ اور مجھکو یہی بصیرت دے کہ حق حق نظر آئے اور مجھ کو اُسکی پیروی کی توفیق عطا کرے۔ اور باطل باطل نظر آوے۔ اور مجھ کو اُس سے اجتناب کی توفیق عطا کرے ٭

تتمہ ذکر اسباب فتور اعتقاد اور اُسکا علاج

اب ہم اُن اسباب ضعیف ایمان کا جو قبل ازیں بیان ہوئے پھر ذکر کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کی ہدایت اور ہلاکت سے سنجات کا طریق بھی بتلاتے ہیں ٭

جن لوگوں نے اہل تعلیم کی سُنی سُنائی باتوں کے سبب حیرت کا دعوےٰ کیا ہے اُنکا علاج تو وُہی ہے۔ جو ہم کتاب **قسطاس مستقیم** میں بیان کر چکے ہیں۔ اس رسالہ میں اُس کا ذکر کرکے طول نہیں دینا چاہتے ٭

اور جو اہل اباحت[1] شبہ اور اوہام پیش کرتے ہیں اُن کو ہمنے سات اقسام میں محصور کیا ہے۔ اور اُن کی تفصیل کتاب **کیمیائے سعادت**

[1] جمل کسانیکہ از اہل اباحتند از ہفت وجہ بود۔ اوّل بخدائے تعالیٰ ایمان ندارند و حوالہ کارہا بطبیعت و نجوم کردند۔ پنداشتند کہ ایں عالم عجیب باآینہمہ حکمت و ترتیب از خود پیدا آمدہ یا خود ہمیشہ بودہ یا فعل طبیعت است و مثل ایشاں چوں کسے است کہ خطے نیکو بیند و پندارد

میں بیان کی گئی ہے +

کہ از خود پدید آمدہ بے کاتبے قادر و عالم و مرید- و کسیکہ نابینائی او بایں حد بود از راہ
شقاوت نگردد + دوم بآخرت نگرویدند و پنداشتند کہ آدمی چوں نباتست کہ چوں بمیرد نیست
شود- و سبب ایں جہل ہست بنفس خود کہ ابدیست و ہرگز نمیرد + سوم بخدا تعالیٰ و
آخرت ایمان دارند ایمانے ضعیف ولیکن گویند کہ خدا را عزّ و جل بعبادتِ ما چہ
حاجتست و از معصیت ما چہ رنج- ایں مدبر جاہل است بشریعت کہ مے پندارد کہ
معنی شریعت آنست کہ کار برائے خدا مے باید کرد نہ برائے خود- ایں ہمچنانست کہ بیمارے
پرہیز نکند و گوید کہ طبیب را ازانچہ کہ من فرمان او برم یانبرم- ایں سخن راست است
ولیکن او ہلاک شود + چہارم گفتند کہ شرع میفرماید کہ دل ز شہوت و خشم و ریا پاک کنید
و ایں ممکن نیست کہ آدمی را ازیں آفریدہ اند- پس مشغول شدن بایں طلبِ محال بود- و
ایں احمقان ندانستند کہ شرع ایں نفرمودہ- بلکہ فرمودہ است کہ خشم و شہوت را ادب کنید
کہ حدود عقل و شریعت را نگاہ دارد- حق تعالیٰ فرمودہ است والکاظمین الغیظ ثنا گفت
برکسیکہ خشم فرو خورد نہ برکسیکہ او را خشم نبود + پنجم گویند کہ خدا رحیم ہست بہر صفت کہ باشیم برما
رحمت کند و ندانند کہ ہم شدید العقاب است + ششم بخود مغرور شوند و گویند کہ ما بجائے رسیدہ ایم
کہ معصیت ما را زیان ندارد- آخر درجہ ایں ابلہاں فوق درجہ انبیا نیست و ایشاں بسبب خطا
میگریستندے + وجہ ہفتم از شہوت خیزد نہ از جہل و ایں اباحتیاں گروہے باشند کہ
شبہات گذشتہ ہیچ نشنیدہ باشند- ولیکن گروہے را بینند- کہ ایشاں براہ اباحت
میروند- ایشاں را آن نیز خوش آید کہ در طبع بطالت و شہوت غالب بود-
معاملہ بالیشاں بشمشیر باشد نہ بحجت- (انتخاب از کیمیائے سعادت)

جن لوگوں نے طریق فلسفہ سے اپنا ایمان بگاڑ لیا ہے حتے کہ نبوّت کے بھی منکر ہو بیٹھے ہیں اُن کے لئے ہم حقیقت نبوت بیان کر چکے ہیں اور وجود نبوّت یقینی طور پر بدلیل وجود خواص ادویہ و نجوم وغیرہ بتا چکے ہیں - اور اسی واسطے ہم نے اس مقدمہ کو پہلے ذکر کردیا ہے - ہم نے وجود نبوت کی دلیل خواص طب و نجوم سے اسی واسطے ذکر کی ہے - کہ یہ خود اُن کے علوم ہیں - اور ہم ہر فن کے عالم کے لئے نجوم کا ہو خواہ طب کا - علم طبعی کا ہو یا سحر و طلسمات کا - اُسی کے علم سے برہان نبوت لایا کرتے ہیں +

اب رہے وہ لوگ جو زبان سے نبوّت کے اقراری ہیں اور شریعت کو حکمت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں - سو وہ درحقیقت نبوّت سے منکر ہیں - اور وہ ایسے حکیم پر ایمان لائے ہیں جس کے لئے ایک طالع مخصوص ہے - اور جو اس بات کا مقتضی ہے کہ اُس حکیم کی پیروی کیجائے - اور نبوت کی نسبت ایسا ایمان رکھنا ہیچ ہے - بلکہ ایمان نبوّت یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ سوائے عقل کے ایک اَور حالت بھی ثابت ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے جسے خاص باتوں کا ادراک ہوتا ہے - اور عقل واں سے کنارہ رہتی ہے جیسے دریافت رنگ سے کان - اور آواز سننے سے آنکھ - اور امور عقلی کے ادراک سے سب خواص معزول رہتے ہیں - اگر وہ لوگ اس کو جائز نہ سمجھیں تو ہم اُس کے امکان بلکہ اُس کے وجود پر دلیل قائم کر چکے ہیں - اور

ثبوت نبوت ایک مثال سے +

اگر اُس کو جائز سمجھیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بہت سی
ایسی اشیأ بھی ہیں جن کو خواص کہا جاتا ہے - اور جن پر عقل کو
اس قدر بھی تصرف حاصل نہیں - کہ اُن کے آس پاس ذرا بھی پھٹک
سکے - بلکہ عقل اُن امور کو جھٹلانے لگتی ہے اور اُن کے محال ہونے کا
حکم دیتی ہے مثلاً ایک دانگ افیون زہر قاتل ہے - کیونکہ وہ افراط برودت
سے خون کو عروق میں منجمد کردیتی ہے - اور جو علم طبعی کا مدعی ہوگا وہ
یہ سمجھے گا کہ مرکبات سے جو چیزیں تبرید پیدا کرتی ہیں وہ بوجہ عنصر پانی
اور مٹی کے تبرید پیدا کرتی ہیں - کیونکہ یہی دو عنصر بارد ہیں - لیکن یہ معلوم
ہے - کہ سیروں پانی اور مٹی کی اس قدر تبرید نہیں ہوسکتی پس اگر کسی
عالم طبعی کو افیون کا زہر قاتل ہونا بتلایا جاوے اور وہ اُس کے تجربہ میں
نہ آئی ہو تو وہ اُس کو محال کہے گا - اور اُس کے محال ہونے پر یہ دلیل
قایم کریگا - کہ افیون میں ناری اور ہوائی اجزاء ہوتے ہیں - اور ہوائی اور
ناری اجزاء افیون کی برودت زیادہ نہیں کرتے اور جس حالت میں بجمیع
اجزاء پانی اور مٹی فرض کرلینے سے اُس کی ایسی مفرط تبرید ثابت نہیں
ہوتی تو اُس کے ساتھ اجزاء حارہ ہوا و آگ مل جانے سے اس حد تک
تبرید کیونکر ثابت ہوسکتی ہے - اس کو وہ شخص یقینی دلیل سمجھے گا - اور
اکثر دلایل فلسفہ در باب طبعیات و الٰہیات اسی قسم کے خیالات پر مبنی ہیں
وہ اشیأ کی وہی حقیقت سمجھتے ہیں جو عقل یا وجود میں پاتے ہیں - اور
جس کو سمجھ نہیں سکتے - یا جس کو موجود نہیں دیکھتے - اُس کو محال ٹھیرا لیتے

ہیں - اور اگر لوگوں میں سچی خوابیں معتاد اور مالوف نہ ہوتیں اور کوئی دعوے کرنے والا یہ کہتا کہ میں بوقت تعطل حواس امر غیب جان لیتا ہوں تو اُس کی بات کو ایسے عقل برتنے والے ہرگز نہ مانتے - اور اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی شے ہوسکتی ہے کہ وہ خود تو ایک دانہ کے برابر ہو اور پھر اُس کو ایک شہر پر رکھدیں - تو وہ اُس تمام شہر کو کھا جاوے اور پھر اپنے تئیں بھی کھا جاوے اور نہ شہر باقی رہے نہ شہر کی کوئی چیز باقی رہے اور نہ وہ خود باقی رہے تو کہے گا کہ یہ امر محال اور منجملہ مزخرفات کے ہے حالانکہ یہ آگ کی حالت ہے - جس نے آگ کو نہ دیکھا ہوگا وہ اس بات کو سُن کر اس سے انکار کرے گا - اور اکثر عجائبات اُخروی کا انکار اسی قسم سے ہے - پس ہم اس فلسفی کو جو اوضاع شرعیہ پر معترض ہے کہیں گے کہ جیسا تو لاچار ہوکر افیون میں برخلاف عقل وجود خاصیت تبرید کا قائل ہوگیا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ اوضاع شرعیہ میں در باب معالجات و تصفیہ قلوب ایسے خواص ہوں جن کا حکمت عقلیہ سے ادراک نہ ہوسکے - بلکہ اُن کو بجز نور نبوت کے اَور کوئی آنکھ نہ دیکھ سکے - بلکہ لوگوں نے ایسے خواص کا اعتراف کیا ہے جو اس سے بھی عجیب تر ہیں - چنانچہ اُنھوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے - میری مراد اس جگہ اُن خواص عجیبہ سے ہے جو در باب معالجہ حاملہ بصورت عُسر ولادت مجرب ہیں یعنی ایک تعویذ*

ایک اور مثال

* یہ تعویذ خاتمہ کتاب پر مرقوم ہے *

دو پارچہ جات آب نارسیدہ پر لکھا جاتا ہے - اور حاملہ اپنی آنکھ سے اُن تعویذوں کو دیکھتی رہتی ہے - اور اُن کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیتی ہے پس بچّہ فوراً پیدا ہوجاتا ہے - اس بات کے امکان کا ان لوگوں سنے اقرار کیا ہے - اور اس کا ذکر کتاب **عجایب الخواص** میں کیا ہے - تعویذ مذکورہ ایک شکل ہے جس میں نو خانہ ہوتے ہیں - اور اُن میں کچھ ہندسے خاص لکھے جاتے ہیں - اس شکل کے ہر سطر کا مجموعہ پندرہ ہوتا ہے - خواہ اس کو طول میں شمار کرو یا عرض میں یا ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک - تعجب ہے اُس شخص پر جو اس بات کو تو تصدیق کرے - لیکن اُس کی عقل میں اتنی بات نہ سما سکے کہ نماز فجر کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت مقرر ہونا بوجہ ایسے خواص کے ہے جو نظر حکمت سے نہیں سوجھ سکتے - اور ان کا سبب اختلاف اوقات مذکورہ ہے - اور اِن خواص کا ادراک اکثر نور نبوّت سے ہوتا ہے - تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر ہم اسی عبارت کو بدل کر عبارت منجّمین میں بیان کریں تو یہ لوگ اس امر اختلاف اوقات مذکورہ کو ضرور سمجھ لیں گے - سو ہم کہتے ہیں کہ اگر شمس وسط سماء میں ہو یا طالع میں - یا غارب میں - تو کیا ان اختلافات سے حکم طالع میں اختلاف نہیں ہوجاتا - چنانچہ اسی اختلاف مسیر شمس پر زائچوں - عمروں اور اوقات مقررہ کے اختلاف کی بنا رکھی گئی ہے - لیکن زوال اور شمس کے فی وسطہ السّماء ہونے میں یا مغرب اور شمس کے قریب المغاریب ہونے میں کچھ

ارکان احکام شرعی کی توضیح بذریعہ ایک تمثیل کے

فرق نہیں ہے ۔پس اس امر کی تصدیق کی بجز اس کے اُور کیا سبیل
ہے ۔کہ اس کو بعبارت منجم سنا ہے جس کے کذب کا غالباً سو مرتبہ
تجربہ ہوا ہوگا ۔ مگر باوجود اس کے تو اُس کی تصدیق کیئے جاتا ہے ۔
سنئے کہ اگر منجم کسی کو یہ کہے کہ اگر شمس وسط سماء میں ہو اور فلاں
کوکب اُس کی طرف ناظر ہو اور فلاں برج طالع ہو اور اُس وقت میں تو
کوئی لباس جدید پہنے ۔ تو تُو ضرور اُسی لباس میں قتل ہوگا تو وہ شخص
ہرگز اُس وقت میں وہ لباس نہیں پہننے کا ۔ اور بعض اوقات شدّت
کی سردی برداشت کرے گا ۔ حالانکہ یہ بات اُس نے ایسے منجم سے سُنی
ہوگی جس کا کذب بارہا معلوم ہوچکا ہے ۔ کاش مجھ کو یہ معلوم ہو کہ
جس شخص کے عقل میں ان عجایبات کے قبول کرنے کی گنجایش ہو اور
جو ناچار ہوکر اس امر کا اعتراف کرے کہ یہ ایسے خواص ہیں جنکی معرفت
انبیاء کو بطور معجزہ حاصل ہوئی ہے وہ شخص اس قسم کے امور کا اپنی
حالت میں کس طرح انکار کرسکتا ہے کہ اُس نے یہ امور ایسے نبی سے سنے
ہوں جو مخبر صادق ہو ۔ اور موید بالمعجزات ہو اور کبھی اُس کا کذب نہ
سنا گیا ہو ۔ اور جب تو اس بات میں غور کریگا کہ اعداد رکعات اور
رمی جمار و عدد ارکان حج و تمام دیگر عبادات شرعی میں ان خواص
کا ہونا ممکن ہے تو تجھ کو اِن خواص اور خواص ادویہ و نجوم میں ہرگز
کوئی فرق معلوم نہ ہوگا ۔ لیکن اگر معترض یہ کہے کہ میں نے کسی قدر نجوم
اور کسی قدر طب کا جو تجربہ کیا تو اُن علوم کا اُسی قدر حصّہ صحیح پایا

پس اسی طرح پر اُس کی سچائی میرے دل میں بیٹھ گئی اور میرے دل سے اُس کا استبعاد اور نفرت دور ہوگئی - لیکن نسبت خواص نبوت میں نے کوئی تجربہ نہیں کیا - پس اگرچہ میں اُس کے امکان کا مقرّ ہوں - مگر اُس کے وجود و تحقیق کا علم کس ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے

ہمارے کل [illegible] [illegible] میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تو اپنے تجربات [illegible] پر ہی اقتصار نہیں کرتا بلکہ

بنائے تجربہ ذاتی پر نہیں ہے

تونے اہل تجربہ کے اقوال بھی [illegible] ہیں [illegible] پیروی کی ہے - پس تجھ کو چاہئے کہ اقوال اولیاء کو بھی سنے [illegible] تمام مامورات شرعی میں بذریعہ تجربہ مشاہدہ حق کیا ہے - پس اگر تو [illegible] کے طریق پر چلیگا تو جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اُس میں سے بعض [illegible] ادراک بذریعہ مشاہدہ تجھ کو بھی ہوجائیگا - لیکن اگر تجھ کو تجربہ ذاتی [illegible] تیری عقل قطعاً یہ حکم دیگی کہ تصدیق و اتباع واجب ہے - کیونکہ فرض کہ ایک بالغ و عاقل شخص جس کو کبھی کوئی مرض لاحق نہیں ہوا - اتفاقاً مریض ہوگیا اور اُس کا والد مشفق طبیب حاذق ہے - اور اس شخص نے جبسے ہوش سنبھالا تبسے وہ اپنے والد کے دعوی علم طب کی خبر سنتا رہا ہے - پس اُس کے والد نے اُس کے لئے ایک دوائے معجون بنائی اور کہا کہ یہ دوا تیرے مرض کے لئے مفید ہوگی - اور اس بیماری سے تجھ کو شفا دے گی - تو بتاؤ کہ ایسی حالت میں گو وہ دوا تلخ اور بد ذائقہ ہو اُس کی عقل کیا حکم دے گی - کیا یہ حکم دیگی کہ وہ اُس دوا کو کھالیوے

یا یہ کہ اُس کی تکذیب کرے اور یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا - کہ اس دوا اور حصول شفا میں کیا مناسبت ہے اور مجھ کو اس کا تجربہ نہیں ہوا ہے - کچھ شک نہیں کہ اگر وہ ایسا کرے تو تُو اُس کو احمق سمجھے گا - علی ہذالقیاس ارباب بصیرت تیرے توقف کی وجہ سے تجھ کو احمق سمجھتے ہیں ۔

پس اگر تجھ کو یہ شک ہو کہ مجھ کو یہ کس طرح معلوم ہو کہ نبی علیہ السلام ہمارے حال پر شفقت فرماتے تھے اور اس علم طب سے واقف تھے - تو اُس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ تجھ کو یہ کس طرح معلوم ہوا ہے کہ تیرا باپ تجھ پر شفقت رکھتا ہے - یہ امر محسوس نہیں لیکن تجھ کو اپنے باپ کے قراین احوال و شواہد اعمال سے جو وہ اپنے مختلف افعال و برتاؤ میں ظاہر کرتا ہے یہ امر ایسے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ تجھ کو اُس میں ذرا شک نہیں ہے - اسی طرح پر جس شخص نے اقوال رسول اللہ صلعم پر اور اُن احادیث پر نظر کی ہوگی جو اس باب میں وارد ہیں کہ آپ ہدایت حق میں کیسی تکلیف اُٹھاتے تھے - اور لوگوں کو درستی اخلاق و اصلاح معاشرت اور ہر ایک ایسے امر کی طرف جس سے اصلاح دین و دنیا متصوّر ہو بلاکر اُن کے حق میں کس کس قسم کی لطف و مہربانی فرماتے تھے - تو اس کو اس بات کا علم یقینی حاصل ہوجائیگا کہ اُن کی شفقت اپنی امت کے حال پر اُس شفقت سے بدرجہا زیادہ تھی جو والد کو اپنے بچے کے حال پر ہوتی ہے - اور جب وہ اُن عجایب

افعال پر جو اُن سے ظاہر ہوئے اور اُن عجائبات غیبی پر جن کی خبر نبیؐ کی زبان سے قرآن مجید و احادیث میں دی گئی۔ اور اُن امور پر جو بطور آثار قرب قیامت بیان فرمائے گئے۔ اور جن کا ظہور ہمیں حسب فرمودہ جناب ہوتا ہے غور کرے گا۔ تو اُس کو یہ علم یقینی حاصل ہوگا کہ وہ ایک ایسی حالت پر پہونچے ہوئے تھے جو مافوق العقل تھی۔ اور اُن کو خدا نے وہ آنکھیں عطا فرمائی تھیں۔ جن سے اُن امور غیبی کا جس کو بجز خاصان بارگاہ الٰہی کے اَور کوئی ادراک نہیں کرسکتا۔ اور ایسے امور کا جن کا ادراک عقل سے نہیں ہوسکتا انکشاف ہوتا ہے۔ پس یہ طریق ہے صداقت نبی علیہ السلام کے علم یقینی حاصل کرنے کا۔ تجھ کو تجربہ کرنا اور قرآن مجید کو غور سے پڑھنا اور احادیث کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ کہ اس طریقہ سے یہ امور تجھ پر عیاں ہوجائیں گے +

اس قدر تنبیہ فلسفہ پسند اشخاص کے لئے کافی ہے۔ اس کا ذکر ہم نے اس سبب سے کیا ہے۔ کہ اس زمانہ میں اس کی سخت حاجت ہے +

رہا سبب چہارم۔ یعنی ضعف ایمان بوجہ بد اخلاقی۔ سو اس مرض کا علاج تین طور سے ہوسکتا ہے +

ضعف ایمان بوجہ بداخلاقی علماء اور اُس کا علاج

اوّل۔ یہ کہنا چاہئے کہ جس عالم کی نسبت تیرا یہ گمان ہے۔ کہ وہ مال حرام کھاتا ہے۔ اُس عالم کا مال حرام کی حرمت سے واقف ہونا ایسا ہے جیسا تیرا حرمت شراب و سود بلکہ حرمت غیبت و کذب و چغل خوری سے واقف ہونا۔ کہ تو اس حرمت سے واقف ہے نہ لیکن

باوجود اس علم کے تو اِن محرمات کا مرتکب ہوتا ہے - لیکن نہ اس وجہ سے کہ تجھ کو اِن امور کے داخل معاصی ہونے کا ایمان نہیں ہے - بلکہ بوجہ شہوت کے جو تجھ پر غالب ہے - پس اُس کی شہوت کا حال بھی تیری شہوت کا سا حال ہے - جس طرح شہوت کا تجھ پر غلبہ ہے اسیطرح اُس پر ہے - پس اُس عالم کا اِن مسائل سے زیادہ جاننا جس کی وجہ سے وہ تجھ سے متمیز ہے اس بات کا موجب نہیں ہوسکتا کہ ایک گناہ خاص سے وہ رُکا رہے - بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو علم طب پر یقین رکھتے ہیں لیکن اُن سے بلا کھانے میوہ اور پینے سرد پانی کے صبر نہیں ہوسکتا - گو طبیب نے اِن چیزوں کے استعمال کرنے سے منع کیا ہو - لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بدپرہیزی میں کوئی ضرر نہیں - یا بیقین نسبت طبیب صحیح نہیں ہے - پس لغزش علماء کو اسی طرح پر سمجھنا چاہیئے +

دوئم - عام شخص کو یہ کہو کہ تجھ کو یہ سمجھنا واجب ہے کہ عالم نے اپنا علم یوم آخرت کے لئے بطور ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے - اور وہ یہ گمان کرتا ہے - کہ اُس علم سے میری نجات ہوجائیگی - اور وہ علم میری شفاعت کرے گا - پس وہ بوجہ فضیلت علم خود اپنے اعمال میں تساہل کرتا ہے - اگرچہ یہ ممکن ہے کہ علم اُس عالم پر زیادتی حجت کا باعث ہو اور وہ یہ ممکن سمجھتا ہے کہ وہ علم اُس کے لئے زیادتیٔ درجہ کا باعث ہو - اور یہ بھی ممکن ہے - پس اگر عالم نے عمل ترک کیا ہے تو

بوجہ علم کے کیا ہے - لیکن اے جاہل ... تو نے اس کو دیکھکر

عمل ترک کیا ہے - اور تو علم سے بے بہرہ ہے ... اپنی

بداعمالیوں کے ہلاک ہوجائیگا - اور کوئی تیری شفاعت کرنے

ہوگا ٭

سوئم - علاج حقیقی - سالم حقیقی سے کبھی کوئی معصیت بجز اس کے کہ

بطریق لغزش ہو ظاہر نہیں ہوتی - اور نہ وہ کبھی معاصی پر اصرار کرتا ہے

کیونکہ علم حقیقی وہ شے ہے جسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معصیت زہر ہلاک

ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اور جس کو یہ معلوم ہوجاتا ہے - تو

وہ اچھی شے کو ادنے شے کے عوض نہیں بیچتا - اگر یہ علم ان اقسام

علوم سے حاصل نہیں ہوتا جس کی تحصیل میں اکثر لوگ مشغول رہتے

ہیں - یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت پر زیادہ جرأت ہوجاتی ہے - لیکن

علم حقیقی ایسا علم ہے - کہ اس کے پڑھنے والے میں خشیۃ اللہ و

خوف خدا زیادہ بڑھتا ہے - اور یہ خوف خدا مابین اس عالم اور معاصی

کے بطور پردہ حائل ہوجاتا ہے - بجز اُن صورتہاء لغزش کے جس سے

انسان بمقتضائے بشریت جدا نہیں ہوسکتا - اور یہ امر ضعف ایمان پر

دلالت نہیں کرتا - کیونکہ مومن وہی شخص ہے جس کی آزمائش ہوتی ہے

اور جو توبہ کرنے والا ہے - اور یہ بات گناہ پر اصرار کرنے اور ہمہ تن

گناہ پر گر پڑنے سے بہت بعید ہے ٭

پس یہ وہ امور ہیں جو ہم مذمت فلسفہ و تعلیم اور اُنکی آفات و نیز اُن کے بیڈھنگے انکار کرنے کی آفات کے باب میں بیان کرنا چاہتے تھے - ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمکو اُن صالحین میں شامل کرے - جن کو اُس نے پسندیدہ و برگزیدہ کیا - اور جن کو راہِ حق دکھایا - اور ہدایت بخشی ہے - اور جن کے دلوں میں ایسا ذکر ڈالا ہے کہ وہ اُس کو کبھی نہیں بھولتے - اور جن کو شرارت نفس سے ایسا محفوظ کیا ہے - کہ اُن کو اُس کی ذات کے سوا کوئی شے نہیں بھاتی - اور اُنھوں نے اپنے نفس کے لئے اُسی کی ذات کو خالصتاً پسند کیا ہے - اور وہ بجز اُس کے اور کسی کو اپنا معبود نہیں سمجھتے + فقط

خاتمہ

تمت بالخیر

د	ط	ب
ج	ه	ز
ح	ا	و

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶